جامعہ مدنیہ لاہور کا ترجمان

علمی دینی اور اصلاحی مجلہ

انوارِ مدینہ لاہور

بیاد

عالمِ ربانی محدثِ کبیر حضرۃ مولانا سید حامد میاں رحمہ اللہ

بانی جامعہ مدنیہ

نگران

مولانا سید رشید میاں مدظلہ

مہتمم جامعہ مدنیہ، لاہور

مارچ ۱۹۹۴ء

رمضان المبارک ۱۴۱۴ھ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

ماھنامہ

انوار مدینہ

جلد : ۲ رمضان المبارک ۱۴۱۴ھ ۔ مارچ ۱۹۹۴ء شمارہ : ۶

مدیر
سید محمود میاں
مدرس و نائب مہتمم جامعہ مدنیہ لاہور

بدلِ اشتراک

پاکستان فی پرچہ ۱۰ روپے . . . . سالانہ ۱۱۰ روپے
سعودی عرب، متحدہ عرب امارات . . . " ۴۵ ریال
بھارت، بنگلہ دیش . . . . . . " ۱۰ امریکی ڈالر
امریکہ افریقہ . . . . " ۱۶ ڈالر
برطانیہ . . . . " ۱۷ ڈالر

○ اس دائرہ میں سُرخ نشان اس بات کی علامت ہے کہ ماہ . . . . . سے آپ کی مُدّتِ خریداری ختم ہوگئی ہے، آئندہ رسالہ جاری رکھنے کے لیے مبلغ . . . . ارسال فرمائیں۔

ترسیلِ زر و رابطہ کے لیے دفتر ماہنامہ "انوار مدینہ" جامعہ مدنیہ کریم پارک لاہور۔ کوڈ . . . ۵۴۰۰، فون ۲۰۱۰۸۶ ۔ ۲۰۵۳۸۸

سیّد رشید میاں طابع و ناشر نے شرکت پرنٹنگ پریس لاہور سے چھپوا کر دفتر ماہنامہ "انوار مدینہ" جامعہ مدنیہ کریم پارک لاہور سے شائع کیا۔

اِس شمارے میں

حرفِ آغاز		۳
درسِ قرآن	حضرت مولانا قاری محمد طیب رحؒ	۵
درسِ حدیث	حضرت مولانا سید حامد میاں رحؒ	۱۲
رحمۃ للعالمین (نعت)	قاضی جشید عالم خاور صدیقی	۱۵
سیرۃِ مبارکہ	حضرتِ اقدس مولانا سید محمد میاں رحؒ	۱۶
مولانا نسیم احمد فریدی رحؒ	شاہد فاروق	۲۴
حدود و قصاص، عورت کی شہادت	حضرت مولانا سید حامد میاں رحؒ	۳۲
مسئلہ ایصالِ ثواب	حضرت مولانا محمد منظور نعمانی مدظلہ العالی	۴۰
دارالافتاء	حضرت مولانا ڈاکٹر عبدالواحد	۵۲
حاصلِ مطالعہ	مولانا نعیم الدین	۵۴
جامعہ مدنیہ کے سالانہ امتحان کی رپورٹ		۵۹

رابطہ: دفتر کراچی

حضرت مولانا قاری شریف احمد صاحب مدظلہٗ، خطیب جامع مسجد سٹی اسٹیشن کراچی

انڈیا میں رابطے کے لیے

حضرت مولانا سید رشید الدین صاحب حمیدی مدظلہ العالی، مہتمم مدرسہ شاہی مراد آباد۔ یو۔ پی۔ انڈیا

بسم اللہ الرحمن الرحیم

حرفِ آغاز

سیّد محمود میاں

نحمدہ و نصلی علی رسولہ الکریم

امابعد! آج کل ملک جن خطرناک اندرونی و بیرونی حالات سے دوچار ہے اس نے ملکی اساس وبقاء کا مسئلہ پیدا کردیا ہے۔ یہی وہ حد ہے جہاں پہنچ کر ملکی قائدین کو باہمی جھگڑے ختم کرکے اتحاد و یگانگت کا عملی مظاہرہ کرنا چاہیے تھا ملک کے اندر اور باہر انتہائی خطرناک اشارے مل رہے ہیں۔ مگر پاکستان کے اندر اور باہر نظر دوڑائیں تو یوں لگتا ہے کہ یا تو اپنے پرائے ہوگئے ہیں نہیں تو پرائے اندر آگئے ہیں! دوسرے لفظوں میں را موساد اور امریکن سی آئی اے کا کام ہمارے قائدین نے ہلکا کردیا ہے کہ جو کام وہ برسوں نہ کرپائیں وہ ہم خود دنوں میں کر دکھائیں۔ اور حلفِ رازداری و وفاداری کی دھجیاں اُڑائیں اِنّا لِلّٰہِ وَاِنّا اِلیہِ راجعون۔

○ پچھلے دنوں ۱۷ فروری کے روزنامہ میں یہ خبر نظر سے گزری کہ سندھ سے پچاس ہزار ہندو نقل مکانی کرگئے پاکستانی بینکوں کے کروڑوں روپے ڈوب گئے۔ گزشتہ چند برسوں میں ۱۵ ارب روپے بھارت منتقل کیے گئے جبکہ ایک سال سے سرمائے کی بھارت منتقلی میں بہت زیادہ اضافہ ہوا ہے۔ بڑے تاجروں کے علاوہ چھوٹے ہندو تاجروں نے بھی بھارتی بینکوں میں اکاؤنٹ کھول رکھے ہیں کیا یہ ممکن ہے کہ اتنے بڑے پیمانے پر دشمن ملک میں سرمائے کی غیر قانونی منتقلی ہو اور

ملک کے حساس ادارے اس سے بے خبر ہوں ـــــ یقیناً یہ ایک مجرمانہ غفلت ہے جس پر ذمہ دارانِ حکومت کو فوری توجہ دینی چاہیے تھی، مگر تاحال اس پر کوئی مثبت ردِّ عمل سامنے نہیں آیا جو بجائے خود خطرہ کی گھنٹی ہے۔

○ ایک دوسری خبر ۲۰ فروری کے روزناموں میں شائع ہوئی۔ چین اور بھارت کا تیس برس پرانا سرحدی جھگڑا ختم ہوگیا اور اُن کے درمیان متنازع سرحدی علاقوں سے فوجیں واپس بُلانے کا سمجھوتہ طے پا گیا۔ بھارت اپنی دو ڈویژن فوج واپس بلالے گا۔ تیس برس پہلے اسی متنازع علاقہ پر دونوں مُلکوں کے مابین جنگ ہُوئی تھی۔

یہ خبر بھی پاکستان کی خارجہ پالیسی کی ناکامی کی علامت ہے جبکہ فوجی اعتبار سے پاکستان کے لیے نقصان دہ اور بھارت کے لیے فارغ البالی ہے وہ اپنی تمام تر توجہ پاکستان کے خلاف فوج کشی پر لگا سکتا ہے۔ دوسری طرف چین ماضی میں اگرچہ ہمارا کتنا ہی گرم جوش دوست رہا ہو مگر ہمارے مفادات کے مقابلہ میں اس کو اپنے ہی مفادات عزیز ہوں گے جیسا کہ ہر آزاد اور خود مختار قوم کا یہی طریقہ چلا آرہا ہے۔

○ حال ہی میں بھارت کا ڈھائی ہزار کلومیٹر تک مار کرنے والے "اگنی" میزائل کا کامیاب تجربہ بھی ہمارے لیے لمحہ فکریہ ہے پاکستان کا کوئی بھی علاقہ اس میزائل کی رینج سے باہر نہیں رہا، جبکہ ہمارے حکمران اور فوجی حکام ابھی تک تینتر بٹیر شکار مہم سے ہی فارغ نہیں ہُوئے۔ دُعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہمارے حکمرانوں اور قائدین کو ملک وقوم کے لیے جذبہ خیر خواہی سے سرشار فرمائے۔ اللہ پر کامل بھروسہ اور دُشمن کے مقابلہ میں صف آرا ہونے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

(قسط : ۱۱)

درسِ قرآن حکیم

از حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب رحمۃ اللہ علیہ
مہتمم دارالعلوم دیوبند

تبویب و تزئین : مولانا نعیم الدین صاحب فاضل و مدرس جامعہ مدنیہ لاہور

حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب رحمۃ اللہ علیہ مہتمم دارالعلوم دیوبند نے سنہ میں ماہ رمضان بمبئی میں گزارا وہاں کے احباب کے اصرار پر آپ پورے رمضان المبارک عشا کی نماز کے بعد درسِ قرآن دیتے رہے۔ ان درسوں میں آپ نے سورۃ الملک پ ۲۹ کی تفسیر بیان فرمائی۔ آپ کے یہ درس ٹیپ ریکارڈر کے ذریعے محفوظ کر لیے گئے تھے۔ احقر کا اکتوبر ۱۹۸۸ء میں دیوبند جانا ہوا تو وہاں سے یہ قیمتی کیسٹیں حاصل کر کے لاہور لیتے آیا۔ ارادہ تھا کہ ان قیمتی دروس کو کیسٹوں سے منتقل کر کے کتابی شکل میں چھاپ دیا جائے، لیکن اس کے لیے وقت اور سرمایہ دو چیزوں کی ضرورت تھی اور وہ دونوں مفقود تھیں، اب جبکہ "انوارِ مدینہ" باقاعدہ نکلنا شروع ہوا تو خیال آیا کہ ان دروس کو رسالہ میں قسط وار شائع کر کے عوام تک پہنچایا جائے چنانچہ اللہ کا نام لے کر یہ کام شروع کر دیا گیا، احقر کے دو عزیز امجد اور عابد سلمہا اللہ بڑی محنت سے ان دروس کو کیسٹ سے کاغذ پر منتقل کرتے ہیں اور انتہائی غور و خوض کر کے اُن کی تسوید کے بعد یہ کاتب کے حوالے کر دیے جاتے ہیں، حضرت قاری صاحب رحمہ اللہ کے یہ دروس بیش قیمت موتیوں کا خزانہ اور علوم و معارف کا گنجینہ ہیں ہماری کوشش ہے کہ ہم یہ قیمتی موتی اور علوم و معارف بے کم و کاست حضرت قاری صاحب رحمہ اللہ کی زبانی عوام تک پہنچا دیں۔ اگر اس میں کسی قسم کی غلطی نظر آئے تو اسے ناقلین کے سہو و خطا پر محمول کیا جائے۔

چونکہ دارالسلطنت کو انتہائی طور پر مضبوط بناتے ہیں فطرت یہی ہے تو فطرتِ الٰہی سے تو یہ فطرت انسانوں نے لی ہے وہاں اصل فطرت نے کام کیا تو سب سے پہلے دارالحکومت کی تعمیر کی گئی اور اس میں سات شہر پناہیں بنائی گئیں اور شہر پناہوں کے اندر فوجیں رکھی گئیں۔

اللہ تعالیٰ کی فوج ملائکہ ہیں

اور فوجیں ہیں ملائکہ، جو نہایت ہی قوی فوج ہے کہ اگر سارے جہان، ساری کائنات، سارے شیاطین بھی مل جائیں تو ایک فرشتہ اُن کے قابو میں نہیں (آسکتا)

حضرت جبرئیل امین کی دو صفتیں ہیں، امین اور قوی

حدیث میں ہے حضرت جبرئیل علیہ السلام کے بارے میں کہ اُن کی دو صفتیں بیان کی گئی ہیں قرآنِ کریم میں ایک قوی اور ایک امین کہ وہ قوی بھی ہیں اور امانت دار بھی ہیں تو امانت

کے بارے میں تو یہ فرماتے ہیں حضرت جبرئیل کہ لاکھوں اسرار اللہ کے میرے سینے میں ہیں، آج تک میں نے ظاہر نہیں کیے حق تعالیٰ ہی کا امر ہوتا ہے تو کسی مخصوص بندے پر کوئی ایک چیز ظاہر کرتا ہوں۔ جس سے ہم لوگ عارف کہلانے لگتے ہیں کہ معرفت رکھتے ہیں۔ اسرارِ خداوندی کو جاننے والے تو کروڑوں اسرار میں سے بذریعہ ملائکہ کے کوئی ایک آدھ چیز قلب میں ڈال دی جاتی ہے وہ ہماری معرفت بن جاتی ہے تو اس ذات کے بارے میں قیاس کیا جائے کہ جبرئیل کتنے بڑے عارف اور کتنے بڑے صاحب معرفت ہیں۔ فرماتے ہیں کہ لاکھوں اسرار میرے سینے میں محفوظ ہیں آج تک میں نے اُنھیں کسی سے ظاہر نہیں کیا، وہ امانتِ خداوندی ہیں، تو امانت کا تو یہ حال ہے اور قوّت کا یہ عالم ہے کہ جب لوط علیہ السّلام کی قوم پر عذاب آیا تو جبرئیل کو حکم دیا گیا کہ تم پلٹ دو اُن کی بستیاں۔ اُنھوں نے ایک ہاتھ ڈال کے وہ سارے شہر اور اقلیم ایک ہاتھ سے اُٹھا کر اوندھے کر دیے اُن کو پلٹ دیا، یہ حال قوّت کا ہے تو فرشتے کی یہ طاقت ہے تو جیسا بادشاہ ویسی اس کی فوج بادشاہ لامحدود قوّت والا ہے تو اس کی فوج بھی اتنی قوّت والی ہے کہ ایک فرشتہ پورے جہان کے لیے کافی ہے سب کو لوٹ دے اُٹھا کر، تو ملائکہ علیہم السّلام ان آسمانوں میں مقیم کیے گئے۔ جیسے فوجی۔

جیسے اللہ تعالیٰ پاک ہیں ویسے ہی اُن کی فوج پاک ہے

تو چونکہ بادشاہ سُبُّوْحٌ قُدُّوْسٌ ہے اور پاک ہے اس لیے فوجیں بھی پاک دُنیا کی فوجوں میں تو حد درجے کی تعین بھی ہوتا ہے آزادی بھی ہوتی ہے مثل مشہور ہے کہ فوجی کو تو سات خون معاف ہیں جس پہ چاہے گولی چلا دی کسی بستی میں گھس گئے تو ناموس تباہ ہوتا رہتا ہے آبرُوئیں جاتی رہتی ہیں، کھیت اُجڑ جاتے ہیں، باغ اُجڑ جاتے ہیں، لیکن وہ اللہ کی فوج ہے اس کے قلعوں کے محافظ ہیں وہ بھی پاکباز مخلوق ہیں بَلْ عِبَادٌ مُّكْرَمُوْنَ نہایت ہی کرام اور مکرم بندے ہیں۔ کرامت والے بندے ہیں۔ سب صاحبِ کرامت، اور لَا يَعْصُوْنَ اللّٰهَ مَآ اَمَرَهُمْ وَيَفْعَلُوْنَ مَا يُؤْمَرُوْنَ۔ کبھی نافرمانی نہیں کی اللہ کی ہمیشہ پابند ہیں احکامِ ربانی کے۔ منشاءِ خداوندی کو پاتے ہیں تو کر چلتے ہیں تو مخلوق بھی نہایت پاکباز ہے جس کی فوج بنائی گئی ہے کہ اس سے زیادہ مطیع اور مقدس مخلوق دوسری نہیں اور اُن کا کام رات دن

اطاعت اور عبادت (ہے) حدیث میں فرمایا گیا ہے کہ آسمانوں میں چار انگشت جگہ خالی نہیں ہے کہ کوئی نہ کوئی فرشتہ مصروف عبادت نہ ہو تو اتنی فوجیں رکھی گئیں ہیں کہ چار انگشت جگہ خالی نہیں ہے کہ کوئی نہ کوئی سپاہی موجود نہ ہو تو اَن گنت فوج اس لیے کہ جیسا بادشاہ ویسی بادشاہی، ویسی ہی اس کی فوج، ویسی ہی پاک باز فوج۔ گویا سات قلعے بنے اس میں فوجیں رکھی گئیں اس کے اُوپر وہ خندق ہے جو سمندر ہے جس کی ایک ایک موج زمینوں آسمانوں کے برابر ہے اور اُس کے اُوپر جا کر ہے کُرسی اور کُرسی اتنی بڑی کہ سارے آسمان اس کے سامنے ایسے ہیں جیسے چھلّا۔

کُرسی درحقیقت عرشِ الٰہی کا پائیدان ہے

وہ پائیدان ہے عرش کا۔ کُرسی کے بارے میں عُلماء لکھتے ہیں کہ تخت پر چڑھنے کے لیے جو سیڑھی بنائی جاتی ہے وہ کُرسی درحقیقت پائیدان ہے عرش پر چڑھنے کا، تو جب سیڑھی اتنی بڑی ہے تو عرش کتنا بڑا ہوگا جو ساری کائنات کو گھیرے ہُوئے ہے تو یہ تختِ شاہی جس سے یُدَبِّرُ الْاَمْرَ یُفَصِّلُ الْاٰیٰتِ۔ اللہ نے عرش پیدا کیا۔ اور اس پر سے ہی تدبیراتِ الٰہیہ جاری ہوتی ہیں

عرش سے تدبیراتِ الٰہیہ جاری ہوتی ہیں

ان جہانوں میں جو کچھ چیزیں ہیں وہ دنیا ہو یا ستارے ہوں اُن سب میں جو امرِ خداوندی جاری ہے وہ عرش سے چلتا ہے احکام وہاں سے نافذ ہوتے ہیں۔ یُدَبِّرُ الْاَمْرَ تدبیرِ امر وہاں سے ہوتی ہے تو عرشِ عظیم گویا سب سے بڑی علامت ہے حکومت کی اور اِسی واسطے کہا کرتے ہیں کہ تخت کے سامنے نذریں پیش کی جائیں ادبًا۔ یُوں نہیں کہتے کہ بادشاہ کو نذر دے رہے ہیں۔ درباری تخت کے سامنے نذر پیش کر رہے ہیں۔ یعنی بادشاہ تو بڑی چیز ہے۔ وہاں کس کی پہنچ، تخت شاہی کے پائے کو چُومتے ہیں وُہی اظہارِ عقیدت ہوتا ہے بادشاہ سے، تو عرشِ عظیم گویا علامت ہے شہنشاہیِ الٰہی کی اس کے سامنے نذریں پیش کرتے ہیں اس کے سامنے اطاعت کے لیے جھکتے ہیں۔

سُورج جب نکلتا ہے تو عرش کے سامنے سجدہ ریز ہوکر چلنے کی اجازت حاصل کرتا ہے۔

حدیث میں فرمایا گیا ہے کہ یہ سُورج جب چلتا ہے تو اذن حاصل کرتا ہے پہلے سجدہ

کرتا ہے عرش کے نیچے اور پھر کہتا ہے اجازت ہے جانے کی۔ اجازت مِل جاتی ہے تو پھر اپنا دَورہ پُورا کرتا ہے۔ دَورے کے بعد پھر پہنچا پھر اذن چاہا۔ قیامت کے دِن فرمائیں گے کہ آگے جانے کی اجازت نہیں پیچھے لوٹ جا تو آفتاب طلوع کرے گا مغرب سے اور وسط میں آکر پھر لوٹ جائے گا اور اس کے بعد مَیں پھر حسبِ معمول طلوع و غُروب ہونے لگے گا۔ یہ علامت کبریٰ ہوگی قیامت کی، تو بہرحال تخت کے آگے جُھکنا یہ بادشاہ کے آگے جُھکنا ہے تو سب سے بڑا نورانی کُرہ اس عالم میں آفتاب ہے وہ روزانہ سجدہ کرکے عرش کے نیچے اجازت طلب کرتا ہے۔ تب اسے اجازت ملتی ہے جانے کی، تو سرکاری مہمان خانہ بھی ہوگیا اور شاہی قلعہ بھی ہوگیا اور شاہی قلعہ کی فوج بھی ہوگئی اور عرشِ عظیم بھی اُس کے اُوپر ٹک گیا۔

بادشاہ کے لیے تاج ہوتا ہے لیکن وہ حق تعالیٰ کی شان کے مناسب نہیں

اَب بادشاہ کے لیے تاج بھی درکار ہوتا ہے مگر حق تعالیٰ شانہٗ کے لیے تاج مناسب نہیں کہ تاج سَر کے بھی اُوپر ہوتا ہے بادشاہ کے، اور اللہ عَلِیُّ الْعَظِیْم ہے، اس سے بلند کوئی چیز نہیں۔

اللہ کے تاج کی مثال

اس واسطے وہاں تاج کی مثال ایسی رکھی گئی اور وہ یہ ہے کہ عرش پر حق تعالیٰ نے ایک لوح اور تختی رکھی کہ جس کی بڑائی زمینوں اور آسمانوں سے بھی کہیں زیادہ ہے اس پر لکھ کر رکھا ہُوا ہے۔ اِنَّ رَحْمَتِیْ سَبَقَتْ غَضَبِیْ میری رحمت ہمیشہ میرے غضب کے اُوپر غالب رہے گی۔ اگر گنہگار آئے کہ نیکیاں بھی کی ہوں اور جُرم بھی پہلے رحمت بڑھے گی کہ نیکیوں کا صلہ لے غضب نہیں بڑھے گا کہ اُس کو سزا دے۔ اگر کسی نے جرائم ہی جرائم کیے ہوں تو مجبوری کو غضب بڑھے گا، ورنہ رحمت ہی بڑھے گی اور اُٹھائے گی آغوشِ رحمت میں تو یہ دستاویز رکھی۔ یہ وہ ہے جیسے کہا کرتے ہیں حکومت کی پالیسی، حکومت جب پالیسی بناتی ہے، منشور بناتی ہے تو فلاں قوم کے ساتھ یہ برتاؤ ہوگا اور فلاں قوم کے ساتھ یہ برتاؤ ہوگا، وہ پالیسی طے ہوجاتی ہے تو پھر وزراء اُمراء سب اسی پر عمل کرتے ہیں تو پالیسی حکومت الٰہی کی یہ طے ہُوئی کہ رحمت غالب رہے گی۔ غضب پیچھے رہے گا۔

اَلرَّحْمٰنُ عَلَی الْعَرْشِ اسْتَوٰی فرمایا دیگر صفات ذکر نہیں کیں

اسی واسطے عرشِ عظیم پر جب بادشاہی کی حیثیت سے حق تعالیٰ نے استوٰی فرمایا تو فرماتے ہیں اَلرَّحْمٰنُ عَلَی الْعَرْشِ اسْتَوٰی۔ رحمٰن چھا گیا عرش کے اُوپر، یُوں نہیں کہا اَلْقَهَّارُ عَلَی الْعَرْشِ اسْتَوٰی قہر والا چھا گیا۔ اَلْغَضَّابُ عَلَی الْعَرْشِ اسْتَوٰی غضب والا چھا گیا۔ اگر غضب کی تجلّی چھاتی تو ساری کائنات ختم ہو جاتی۔ رحمت کے ساتھ سب کے ساتھ معاملہ کیا جا رہا ہے۔ یہ رحمت ساتھ ہے تو شکل ایسی بن گئی کہ ساری کائنات، اس کے اُوپر آسمان اُس کے اُوپر دریا اُس کے اُوپر عرش، عرش کے اُوپر رحمتِ خداوندی تو گویا پُوری کائنات کو رحمت نے ڈھانپ رکھا ہے۔ رحمت نے چلا رکھا ہے۔

جو بادشاہ غضبناک ہو وہ مُلک کو زیادہ دیر نہیں چلا سکتا

اس سے گویا اشارہ نکلتا ہے کہ جو بادشاہ غضب ناک ہو وہ مُلک کو زیادہ دیر تک نہیں چلا سکتا۔ وہی بادشاہ چلا سکتا ہے جس میں شفقت اور کرم غالب ہو اور جس کے اندر قہر اور غضب اور تعصب اور عناد غالب ہو گا۔ زیادہ دیر اس کی حکومت نہیں چل سکتی وہ ختم ہو جائے گی گویا اُصول نکل آیا کہ پائیدار حکومت بنانا چاہتے ہو تو ایسے شخص کو بادشاہ بناؤ جو رحیم و کریم ہو، جس کی رحمت غالب ہو، غضب مجبوری کو جائے۔ جب مجرمین تنگ ہی کر دیں تب جا کر کے غضب کے احکام نازل کرے ورنہ رحمت چلتی رہے تو پہلے تو فرمایا اَلَّذِیْ خَلَقَ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ طِبَاقًا بادشاہانہ ذات وہ ہے اللہ کی جس نے سات طبق میں آسمان بنائے اور مَا تَرٰی فِیْ خَلْقِ الرَّحْمٰنِ مِنْ تَفٰوُتٍ تم اللہ کی بناوٹ میں کوئی فرق نہیں محسوس کرو گے اور ہم کہتے ہیں فَارْجِعِ الْبَصَرَ نگاہ کو لوٹاؤ، غور کرو، ہے کوئی فرق؟ نہیں ہے۔ پھر لوٹاؤ دوبارہ لوٹاؤ تو لوٹ کر آ جائے گی نگاہ مگر کوئی عیب اور فرق نہیں نکال سکے گی۔

آسمانوں کو ستاروں سے مزیّن کیوں کیا گیا

اَب ظاہر بات ہے کہ قلعے تو بن گئے مگر اس میں اندھیرا بھٹ پڑا ہو تو رہنے والے کیسے رہیں گے، ظلمت ہو، تاریکی ہو تو ہاتھ کو ہاتھ سجھائی نہیں دے گا کام کیسے چلے گا اس لیے آگے فرمایا وَلَقَدْ زَیَّنَّا السَّمَآءَ الدُّنْیَا بِمَصَابِیْحَ بڑے بڑے

چراغوں سے اور ہنڈوں سے ہم نے روشن کیا آسمانِ دُنیا کو اور وہ چاند اور ہنڈے وہ چاند، سُورج ہیں، ستارے ہیں، اور وہ ہماری ضرورت اس لیے کہ آسمان سے بالاتر جو عرشِ عظیم کی روشنی ہے۔ جنتوں میں بھی۔ وہاں خُوب صُورت چاند کی نہیں چلتی یہ تو معمولی درجے کی روشنی ہے تو دُنیا والوں کو ضرورت تھی۔ اُنھیں کے لیے چھت بنایا آسمانِ دُنیا کو اور طبعی طور پر لالٹینیں چھت میں ٹانگی جاتی ہیں۔ زمین میں چراغ کوئی نہیں رکھا کرتا یا دیوار پر لگاتا ہے یا چھت کے قریب اور جب بجلی کی روشنی ہو تو قمقمے تو چھت میں ہی ٹانگے جاتے ہیں۔ تکلّف کے طور پر وہ دیوار میں لگالے لیکن اصل مقام ہے چھت۔ اسی واسطے دنیا کی چھت بنایا آسمان دُنیا کو اور اس آسمان سے نیچے یہ تمام ہنڈوں کا ایک نظام سجادیا۔ کوئی زیادہ روشن، کوئی کم روشن، سُورج تیز روشن ہے تاکہ کام کاج کرسکیں۔ دِن کا وقت ہے رات میں ضرورت پڑتی ہے سونے کی تو سُورج نہیں چمکایا، چاند چمکایا تاکہ ٹھنڈی روشنی ہو۔ بالکل اندھیرا گھُپ ہوگا تو وحشت بڑھے گی۔ نیند نہیں آئے گی۔ کچھ چاندنا بھی ہو، مگر چبھنے والا نہ ہو، نگاہوں میں، تو چاند کی روشنی رکھی۔

چاند کی روشنی سورج کی روشنی سے مستفاد ہے

یہ وہی سورج کی روشنی ہے مگر وہ ریفریجریٹر کے اندر کو نکل رہی ہے کہ جو ٹھنڈی کرکے پیش کی جاتی ہے تو وہی سُورج کی روشنی یہاں ٹھنڈی بنا دی گئی۔ چاند میں اور اگر چاند بھی نہ ہو تو کروڑوں ستارے روشن کردیے کہ کچھ نہ کچھ چاندنا رہتا ہے زمین پر، اگر ایک بھی ستارہ نہ ہوتا تو اندھیرا گھپ ہوجاتا اس لیے فرمایا کہ ہم نے کائنات بنائی تو روشنی کا بھی سامان کیا۔ وَلَقَدْ زَيَّنَّا السَّمَآءَ الدُّنْيَا بِمَصَابِيْحَ ۔

جتنی بڑی سلطنت اتنے ہی بڑے اس کے دُشمن

اَب ظاہر بات ہے کہ جتنی بڑی سلطنت ہوتی ہے اُتنے ہی بڑے دشمن بھی ہوتے ہیں تو فوجیں بے شک قوی ہیں، سلطنت بڑی عظیم ہے مگر جتنی بڑی حکومت ہے اتنے بڑے ہی دُشمن بھی۔ سارے شیاطین دُشمن ہی تو ہیں یہ کب چاہتے ہیں کہ اللہ کا حکم چلے۔ انبیاء علیہم السلام احکام لے کر آتے ہیں۔ ساتھ ہی اُنھیں چلانا چاہتے ہیں، لیکن قدم قدم پر شیطان قدم قدم پہ رکاوٹیں ڈالتا ہے تو ایک پل بھر کے لیے شیاطین نہیں چاہتے کہ احکامِ خداوندی دُنیا میں

چلیں بلکہ سارے آدمی مِل کر اللہ کے دُشمن بن جائیں۔ مدِّ مقابل آجائیں۔

اللہ تعالیٰ نے اپوزیشن پارٹی بھی پیدا فرمائی

تو حق تعالیٰ نے اپوزیشن پارٹی بھی پیدا کی، حالانکہ اس کی حکومت کو ضرورت نہیں تھی مگر ایک مخالف پارٹی پیدا کی تاکہ اسکا کام یہی ہو کہ اللہ کی حکومت میں دین میں اعتراضات نکالتی رہے۔

اپوزیشن پارٹی کا فائدہ

تاکہ دوست تو یہ سمجھیں کہ بھئی یہ اعتراض کی چیز ہے اس کا یہ جواب دیں گے تو اُن کا علم وسیع ہے اور دُشمن جتنے ہیں وہ بھول بھلیاں میں رہیں تاکہ اچانک جب عذاب آئے پنجہ گرفتاری کا تو اس وقت اچانک گرفتار کر لیا جائے تو دوست بھی فائدہ اُٹھاتے ہیں اپوزیشن پارٹی سے، دُشمن عداوت میں فائدہ اُٹھاتے ہیں، دوست محبت اور دوستی میں فائدہ اُٹھاتے ہیں۔

مخالف پارٹی کا وجود فطری چیز ہے

تو بہرحال ایک مخالف پارٹی کا وجود فطرت ہے، ضروری ہے، ترقّی نہیں ہو سکتی جب تک کہ مخالفت کرنے والی کوئی جماعت نہ ہو۔ اس واسطے شیاطین کی جماعت پیدا فرمائی جس کا کام ہے مخالفت، اور جب ہے تو وہ جیسے دُنیا میں نہیں چاہتی کہ اللہ کی حکومت قائم ہو وہ آسمانوں میں بھی نہیں چاہتی کہ اللہ کی حکومت قائم ہو، لیکن آسمان ہیں قلعے۔ اگر وہاں حکومت ختم ہو تو دُنیا میں بھی باقی نہیں رہے گی۔ اس لیے اُن کی کوشش ہے کہ وہیں سے مٹانے کی کوشش کرو اس لیے حق تعالیٰ نے حفاظتی سامان بنایا تو فرمایا کہ ستارے جو ہم نے مصباح اور چراغ بنا دیے ہیں انہی سے بموں کا بھی کام لیتے ہیں وَجَعَلْنَاهَا رُجُوْمًا لِّلشَّيٰطِيْنِ۔ جہاں شیاطین آسمان کے کناروں تک پہنچے اور یہ بم اُن کے اُوپر برسنے شروع ہُوئے۔ شہابِ ثاقب اور یہ بھسم ہو جاتے ہیں تو گویا ملائکہ علیہم السّلام سارا گولہ بارُود کا سامان لیے ہُوئے ہیں۔ بم بھی اُن کے ہاتھ میں ہے۔ جہاں دُشمنِ الٰہی پہنچا قریب آسمانوں کے وہیں سے اُنھوں نے وہ گولہ پھینک کے مارا اور وہ بھسم ہُوا۔

مولای صلِّ وسلِّم دائماً ابداً　　علی حبیبک خیر الخلق کلہم

درسِ حدیث

استاذ العلماء شیخ الحدیث حضرت مولانا سید حامد میاں رحمہ اللہ کے زیرِ اہتمام ہر اتوار کو نمازِ مغرب کے بعد جامعہ مدنیہ میں "مجلسِ ذکر" منعقد ہوتی تھی۔ ذکر سے فارغ ہو کر حضرت رحمہ اللہ حدیث شریف کا درس بھی دیا کرتے تھے۔ ذکر و بیان کی یہ مبارک اور روح پرور محفل کس قدر جاذب و پُرکشش ہوتی تھی الفاظ اس کی تعبیر سے قاصر ہیں۔
محترم الحاج محمود احمد عارف رح کی خواہش و فرمائش پر عزیز بھائی شاہد صاحب سلمہ نے حضرت شیخ الحدیث قدس سرہٗ کے بہت سے دروس ٹیپ ریکارڈر کے ذریعہ محفوظ کر لیے تھے اور پھر دروس والی تمام کیسٹیں اُنھوں نے مولانا سید محمود میاں صاحب کو عطا کر دیں۔
ہماری دُعا ہے کہ جن کی مہربانی، توجہ اور سعی سے یہ انمول علمی جواہر ریزے ہمارے ہاتھ لگے، حق تعالیٰ اُن سب کو بیش از بیش اَجر سے نوازے۔ ہم انشاء اللہ تعالیٰ یہ قیمتی لؤلؤ لالہ "انوارِ مدینہ" کے ذریعہ حضرت رحمہ اللہ کے مریدین واحباب تک قسط وار پہنچاتے رہیں گے۔
واضح رہے کہ حضرت کے خلفِ اکبر اور جانشین حضرت مولانا سید رشید میاں صاحب کے زیرِ اہتمام ذکر و درس کا یہ سلسلہ بفضلہ تعالیٰ اَب بھی جاری ہے۔

ہنوز آں ابرِ رحمت درفشاں است　　خم و خمخانہ با مہر و نشان است

کیسٹ نمبر ۴ سائیڈ بی ۱۹۸۲ء

الحمد للہ رب العٰلمین والصلوٰۃ والسلام علٰی خیر خلقہ سیدنا و مولانا محمد وّ آلہٖ واصحابہٖ اجمعین

حدیث شریف میں آتا ہے کہ شیطان نے یہ کہا تھا۔

"وَعِزَّتِكَ يَا رَبِّ لَآ اَبْرَحُ اُغْوِيْ عِبَادَكَ مَادَامَتْ اَرْوَاحُهُمْ فِيْٓ اَجْسَادِهِمْ"[1]

میں تیرے بندوں کو گمراہ کرتا رہوں گا جب تک اُن کے جسموں میں جان رہے گی، انسان کمزور ہے ہی۔ اور مغلوب بھی ہے۔ مجبور بھی ہے مجبوریاں تو یہی ہیں کہ نہیں کھائے گا تو کیسے زندہ رہے گا نہیں پیئے گا تو کیسے زندہ رہے گا۔ بہت سے چیزوں میں مجبور ہے انسان، اور بہت سی چیزیں ایسی ہیں کہ جن میں مغلوب ہے اور ذرا ذرا سی چیز میں اِدھر سے اُدھر، اُدھر سے اِدھر ہونے کا اندیشہ رہتا ہے، وہ مغلوب ہے اس چیز میں کہ اِنہی کی ترقی چاہتا ہے۔ کھانے کا معیار، رہنے کا معیار پینے کا معیار اور کیا کیا چیزیں ہیں دل میں لذتیں بدلنی، ذائقے بدلنے، یہ جو انسان کی خواہشات ہیں

[1] مشکوٰۃ ص: ۲۰۴

یہ الگ اس کو تنگ کرتی رہتی ہیں یہ بہکانے کے راستے ہیں شیطان کے، غلط راستے پر ڈال دیتا ہے ان چیزوں سے اور یہی چیزیں ہیں جن کی ہوس غالب ہوتی چلی جاتی ہے اور پھر انسان کسی حد پہ رُکتا نہیں ہے اور اسی میں اُس کی زندگی گزر جاتی ہے۔ اللہ تعالیٰ کے یہاں جب آدمی پیش ہوتا ہے تو اُس سے جو سوالات کیے جاتے ہیں اُن میں ایک سوال یہ بھی آتا ہے کہ تو نے کیا کیا۔ جو تو نے کمایا تھا اس میں کیا کیا تو وہ کہے گا۔ جَمَعْتُهٗ وَ ثَمَّرْتُهٗ وَ تَرَكْتُهٗ اَكْثَرَ مَا كَانَ مَیں نے جمع کیا مال کو اس کو بڑھایا بڑھاتا رہا۔ مَیں اسے بہت زیادہ بنا کر چھوڑ کر آیا ہوں۔ ثَمَّرْتُهٗ وَتَرَكْتُهٗ اَكْثَرَ كَانَ۔

اللہ تعالیٰ فرمائیں گے کہ یہاں کیا پہنچایا اس میں سے جو تُو نے بڑھایا تھا وہاں۔ وہیں چھوڑ کر چلا آیا وارثوں کے لیے یہاں کیا پہنچایا اس میں سے؟ یعنی تُو نے آخرت کے لیے اس میں کیا تیاری کی۔ آخرت کے لیے کیا خرچ کیا؟ وہ جو بڑھوتری ہے تجارت میں۔ چاہے سو فیصد ہو جائے چاہے ہزار فی صد نفع ہو جائے، مال بڑھ کر چاہے لاکھ فی صد بن جائے لیکن سب کا سب یہیں تھا یہیں رہ گیا اور دوسرے لوگوں نے لے لیا۔

اللہ کے ہاں پُوچھا جائے گا کہ یہاں تُو نے کیا بھیجا۔ وہاں کونسی تیاری کی آخرت کی اس مال کے ذریعے، کوئی تیاری کی ہوتی تو وہ یہاں پہ پہنچی ہوتی یہاں پر، وہ کہے گا اللہ تعالیٰ مجھے لوٹا دے۔ "فَارْجِعْنِیْ اٰتِكَ بِهٖ كُلِّهٖ"[1]

جتنا مال ہے اَب کی دفعہ جاؤں میں دُنیا میں۔ دوبارہ مجھ کو وہ زندگی دے دے۔ تو میں سب لے آؤں گا، لیکن یہ نہیں ہو سکتا جو اللہ کے ہاں فیصلے ہیں اور جو قطعی ہیں فیصلے اُن میں رَدّ و بدل ہے ہی نہیں تو یہاں آتا ہے کہ شیطان نے یہ کہا کہ خداوند کریم تیری عزّت کی قسم اور یہ قرآنِ پاک میں بھی ہے قَالَ فَبِعِزَّتِكَ لَاُغْوِيَنَّهُمْ اَجْمَعِيْنَ مَیں ان سب کو گمراہ کرتا رہوں گا۔ اِلَّا عِبَادَكَ مِنْهُمُ الْمُخْلَصِيْنَ۔ سوائے ان بندوں کے کہ جو تیرے ایسے بندے ہیں، جنہیں تو نے اپنے اپنے لیے خالص بنا لیا ہے تُو نے ہی اپنی مہربانی سے خاص کر لیا ہو اپنے لیے ان کی بات الگ ہے ورنہ مَیں گمراہ کرتا رہوں گا یہ قرآنِ پاک میں بھی ہے یہاں بھی کہ اس نے یہ کہا اور اللہ تعالیٰ

[1] مشکوٰۃ ص: ۴۴۲۔

کو پروردگار ہی کہہ رہا ہے یَا رَبِّ اور قرآن پاک میں بھی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے انسان کی مدد فرمائی اس کے بالمقابل کیونکہ اگر اس طرح سے انسان کو شیطان کے ہاتھ میں چھوڑ دیا جاتا تو پھر گناہ نہ ہوتا۔ پھر گناہ کا نام گناہ نہ رکھا گیا ہوتا لیکن اس کے بالمقابل کچھ قوتیں اس نے دی ہیں جن کا انسان کے دِل کے اندر تک تصرف ہوتا ہے، کوئی آدمی کرنا چاہتا ہے کام بھلا نہ ہو بُرا ہو تو تو کوئی چیز روکتی بھی ہے اس کو اور کہتی بھی ہے کہ یہ بُری بات ہے یہ بُرا کام ہے وہ کیا ہے؟... خیر ہے۔ حدیث شریف میں آتا ہے اندر ہی اندر انسان کے بھلائی سکھانے والی ایک قوت رکھی ہے وہ فرشتہ ہے۔ وہ اس طرح کی بات دِل میں پھینکتا ہے ڈالتا ہے، اللہ تعالیٰ نے جیسے وہ طاقت بنا رکھی ہے ایسے یہ اور بھی طاقتیں بنائی ہیں جو انسان کو بتلاتی رہتی ہیں۔ وَهَدَيْنٰهُ النَّجْدَيْنِ۔ ہم نے اس کو دونوں طرح کی چیزیں بتلا دی ہیں

نفع نقصان دونوں سمجھا دیے تو اس میں یہ آتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ایک اور بڑا احسان انسان پر فرمایا جیسے اُس نے کہا تھا کہ جب تک وُہ زندہ ہے تب تک میں بہکاتا رہوں گا۔ یعنی بوڑھا بھی ہو جائے، بس لبِ دم بھی آ گیا۔ تب بھی اطمینان نہیں کرنا چاہیے۔ یہ بھی اس میں سبق ہمیں مل رہا ہے۔ کیونکہ وہ لگا ہُوا ہے اس میں؛ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

فَقَالَ الرَّبُّ عَزَّ وَجَلَّ وَعِزَّتِيْ وَجَلَالِيْ اپنی عزّت کی قسم اپنے جلال کی قسم۔

وَارْتِفَاعِ مَكَانِيْ اور جو میرا بلند درجہ ہے اور بلند مقام ہے اس کی قسم۔

لَا اَزَالُ اَغْفِرُ لَهُمْ مَا اسْتَغْفَرُوْنِيْ "میں بھی لوگوں کو اپنے بندوں کو بخشتا ہی رہوں گا۔ جب تک وہ مجھ سے توبہ کرتے رہیں گے اور استغفار کرتے رہیں گے یعنی تو اگر اس طرح سے گناہ کی طرف رغبت دلائے گا اور اس کی وجہ سے اس سے بار بار گناہ ہوگا تو میں بھی عنایت کر دوں گا۔ اتنی کہ جب بھی وہ توبہ کر لیں گے میں بخش دوں گا۔ دوسری حدیث شریف میں آتا ہے اِنَّ اللّٰهَ يَقْبَلُ تَوْبَةَ الْعَبْدِ مَالَمْ يُغَرْغِرْ[1] جب تک انسان کے غرغرے کی کیفیت نہ ہو اُسوقت تک توبہ قبول ہوتی ہی رہے گی۔ لہٰذا غرغرے سے پہلے پہلے توبہ کی جا سکتی ہے اسکے بعد توبہ کا دروازہ بند ہو جاتا ہے بلکہ اُس وقت کی توبہ توبہ ہی نہیں رہتی۔ اللہ پاک ہم سب کو سچی توبہ کی توفیق نصیب فرمائے اور بُرے انجام سے اپنی پناہ میں رکھے۔

---

[1] مشکوٰۃ ص: ۲۰۴۔

قاضی جمشید عالم خاورؔ صدیقی

رَحْمَۃٌ لِّلْعَالَمِیْنَ

ہمارے ہیں قائد ہمارے ہیں رہبر
وہ نبیوں میں ہیں سب سے اعلیٰ و برتر

خُدا نے جنہیں اپنا مہماں بنایا
نہیں اُن سا کوئی نہ ہے کوئی ہمسر

اُنہیں سب ہی صادق امین جانتے ہیں
صداقت، امانت، دیانت کے پیکر

وُہ نورِ ہدایت کو لائے جہاں میں
ہے اُن کے ہی دم سے یہ دُنیا منوّر

جہاں کو پیامِ اخوّت دیا ہے
مٹائے غُرور و تکبّر کے تیور

عرب کو عجم کو دیا اِک ہی نعرہ
کہ شاہی اُسی کی ہے اللہ اکبر

ستاروں کی مانند جن کے صحابہؓ
ابوبکرؓ و فاروقؓ و عثمانؓ و حیدرؓ

ملے جو گدائی مدینے کی ہم کو
کرے دین و دُنیا میں ہم کو وہ سرور

ہو اِس پر بھی لُطف و کرم کی عنایت
درود و سلام عرض کرتا ہے خاورؔ

○

(قسط : ۱۸)

حضرات نقبأ کا تعارف اور مختصر حالات

حضرۃ شیخ الحدیث مولانا سید محمد میاں رحمہ اللہ کی تصنیف لطیف "سیرۃ مبارکہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم" کے چند اوراق

حضرت اسعد بن زرارہ رضی اللہ عنہ

کنیت ابو امامہ۔ یہ سب سے کم عمر تھے مگر اسلام میں سب سے مقدم جیسا کہ پہلے گزر چکا ہے سب سے پہلے یثرب میں اسلام کا تعارف انہی کے ذریعے ہوا۔ پھر ہر بیعت کے موقع پر حاضر اور ہر بیعت میں شریک رہے۔ حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ مبلغ اور معلم بن کر آئے تو انہی کے یہاں قیام رہا۔ دعوت و تبلیغ میں اُن کے شریک رہے۔ نماز جمعہ کا سلسلہ بھی آپ نے ہی شروع کیا، مگر عمر نے وفا نہیں کی ابھی مسجد نبوی کی تعمیر ہو رہی تھی کہ وفات ہوگئی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بار بار مزاج پرسی کے لیے تشریف لے گئے۔ علاج میں بھی شریکِ مشورہ رہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے تشریف لے جانے کے بعد مدینہ میں سب سے پہلے اُنہی کی وفات ہوئی۔ خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے نمازِ جنازہ پڑھائی۔ یہ سب سے پہلی نمازِ جنازہ تھی جو پڑھائی گئی (الاستیعاب واصابہ) یہودیوں نے طعنہ دیا کہ محمد اپنے ساتھی کو نہ بچا سکے تو اور کیا کر سکیں گے۔ (مسند احمد)

حضرت سعد بن ربیع رضی اللہ عنہ

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عبد الرحمٰن بن عوف مہاجر سے مواخاۃ برادرانہ رشتہ قائم فرمایا تو حضرت سعد نے اپنے مہاجر بھائی سے کہا کہ میں انصار میں سب سے زیادہ خوش حال اور صاحبِ جائیداد ہوں۔ آدھی جائیداد آپ کی ہے اور میری دو بیویاں ہیں اُن میں سے جس کو آپ مناسب سمجھیں مجھے بتا دیں، میں طلاق دے دوں گا آپ نکاح کر لینا۔ حضرت عبد الرحمٰن نے جواب دیا۔ اللہ تعالیٰ آپ کے اہل اور مال میں برکت دے مجھے تو زیادہ چلنے والا بازار بتا دیجیے۔ میدان اُحد میں معرکہ ٹھنڈا ہوا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ سعد بن ربیع کو تلاش کرو۔ یہ میدان میں پڑے ہوئے تھے، بارہ زخم

جسم مبارک پر تھے۔ حضرت اُبی بن کعب جو تلاش کرنے گئے تھے اُن سے کہا کہ آقائے دوجہاں سے میرا سلام عرض کر دینا اور مسلمانوں کو یہ پیغام پہنچا دینا کہ اگر اُن میں سے کوئی ایک بھی زندہ رہ گیا اور سرتاج دوعالم شہید ہو گئے تو اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں اُن کی کوئی معذرت قابلِ قبول نہیں ہو گی۔ حضرت ابوبکرؓ کے دورِ خلافت میں اُن کی صاحبزادی آئیں تو حضرت ابوبکرؓ نے اپنی چادر بچھا دی اس پر اُن کو بٹھایا، اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے فرمایا یہ اُن کی صاحبزادی ہیں جو مجھ سے بھی بہتر تھے اور تم سے بھی وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے راہِ خدا میں قربان ہو گئے اور میں بھی زندہ ہوں اور تم بھی زندہ ہو۔

(الاصابہ)

حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ شاعر تھے۔ ان کے ترانے بڑے شوق سے سُنے جاتے تھے اور پڑھے جاتے تھے۔ خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی دلچسپی ہوتی تھی۔ صلح حدیبیہ کے بعد جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم حسبِ معاہدہ عمرہ کرنے کے لیے تشریف لے گئے تو مکہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے آگے آگے یہ ترانہ پڑھتے جا رہے تھے۔

خَلُّوْا بَنِي الْكُفَّارِ عَنْ سَبِيْلِهٖ اَلْيَوْمَ نَضْرِبُكُمْ عَلٰى تَنْزِيْلِهٖ
ضَرْبًا يُزِيْلُ الْهَامَ عَنْ مَقِيْلِهٖ وَيُذْهِلُ الْخَلِيْلَ عَنْ خَلِيْلِهٖ

ترانہ کا مفہوم یہ ہے کہ۔ کافر بچو! راستے سے ہٹ جاؤ۔ آج ہم بزورِ شمشیر اپنے آقا کو یہاں اُتاریں گے۔ ہماری شمشیر زنی ایسی ہو گی جو کھوپڑیوں کو گردنوں سے اُڑا دے گی اور دوست کو دوست سے جُدا کر دے گی۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت مقداد بن الاسود سے رشتۂ اخوت قائم کیا تھا وہ بھی ایسے ہی جوشیلے تھے۔ جاں باز عبداللہ بن رواحہ نے غزوہ موتہ میں جامِ شہادت نوش کیا۔ رضی اللہ عنہ۔

حضرت رافع بن مالک رضی اللہ عنہ سب سے پہلے مسلمان ہونے والے ہیں۔ پہلی بیعت میں بھی شریک تھے جس میں چھ یا آٹھ آدمیوں نے بیعت کی تھی۔ پھر بارہ اور ستر میں بھی شریک تھے۔ جتنا قرآن اس وقت تک نازل ہوا تھا۔ سب حفظ کر لیا تھا۔ غزوۂ اُحد میں درجہ شہادت حاصل کیا۔ (استیعاب و اصابہ)

حضرت براء بن معرور رضی اللہ عنہ جب یہ قافلہ مکہ جا رہا تھا تو راستہ میں اور ساتھیوں نے بیت المقدس

کی طرف رُخ کر کے نماز پڑھی، مگر اُنھوں نے کعبہ کی طرف نماز پڑھی۔ اسی لیے کہا جاتا ہے کہ سب سے پہلے مُسلمان ہیں جنھوں نے کعبہ کی طرف نماز پڑھی آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم ابھی ہجرت کر کے مدینہ میں تشریف لائے تھے کہ اُن کی وفات ہوگئی، مگر وفات کے وقت وصیّت کر دی کہ ترکہ کا ایک ثلث آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم کی خدمت میں پیش کر دیا جائے۔ اسی لیے کہا جاتا ہے کہ سب سے پہلے صاحبِ خیر ہیں جنھوں نے تہائی ترکہ کی وصیّت کی۔

حضرت عبداللہ بن عمرو بن حرام رضی اللہ عنہ

غزوۂ بدر میں شریک نہیں ہو سکے۔ بہت صدمہ ہُوا۔ غزوۂ اُحد ہُوا تو تمنّا پُوری ہُوئی۔ بیٹے کو بٹھا کر رات ہی کو سمجھا دیا۔ مجھے اُمّید ہے کہ مَیں کل کو سب سے پہلے جان فدا کروں گا۔ آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم کے بعد مجھے سب سے زیادہ تم محبوب ہو۔ تم سب سے پہلے میرا قرض ادا کرنا اور اپنی بہنوں کا خیال رکھنا۔ بہنیں سات تھیں۔ جابر اُن کے سعادت مند صاحبزادے تھے۔ یہودی کا قرض تھا۔ خیال تھا کہ باغ کے پھل سے قرض ادا نہیں ہو سکے گا، لہٰذا کچھ اَب وصول کر لے کچھ بعد میں، مگر یہودی راضی نہیں ہُوا۔ آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم نے سفارش کی تب بھی راضی نہیں ہُوا۔ آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم باغ میں تشریف لے گئے، ٹُوٹے ہُوئے کھجوروں کے ڈھیر پڑے تھے۔ اُن سب کے پاس پہنچ کر ملاحظہ فرمایا۔ پھر حکم دیا کہ تمام قرض ادا کر دو۔ یہ آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم کی برکت تھی کہ تمام قرض ادا کر دیا اور کھجوروں کے ڈھیر جُوں کے توں باقی رہ گئے۔

حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ

آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم نے حضرت ابو مرثد غنوی رضی اللہ عنہ سے برادرانہ رشتہ قائم فرمایا۔ تمام معرکوں میں شریک رہے۔ ۴۵ھ میں وفات ہُوئی۔

حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ

قبیلۂ خزرج کے سردار، رئیس گھرانے کے چشم و چراغ بہت بڑے حوصلہ مند سخی۔ باپ دادا بھی ایسے ہی رئیس اور سخی تھے۔ آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم نے اُن کے گھر کو بیتِ جُود فرمایا۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو خلیفہ بنایا گیا تو اُنھوں نے بیعت نہیں کی، مگر کوئی مخالفت بھی نہیں کی۔ بلکہ وطن چھوڑ کر شام چلے گئے "حوران" میں قیام کیا۔ وفات دفعتہً ہوگئی۔ غُسل خانہ میں مُردہ پائے گئے۔ یہ ۱۵ھ کا

واقعہ ہے یا ۱۴ھ یا ۱۵ھ کا (علی اختلاف الاقوال) الاستیعاب۔

حضرت منذر بن عمرو بن خنیس رضی اللہ عنہ آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم نے حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ سے برادرانہ رشتہ قائم فرمایا۔ بیر معونہ کے حادثہ میں شہید ہوئے۔ یہ ستر حضرات جو اس موقعہ پر شہید کیے گئے وہ انہیں کی قیادت میں سفر کر رہے تھے (الاستیعاب و بخاری وغیرہ) یہ سب حضرات خزرجی تھے۔ قبیلۂ اوس کے یہ تین حضرات تھے۔ مندرجہ ذیل۔

حضرت اُسید بن حُضیر رضی اللہ عنہ قبیلۂ اوس کے سردار بہت بڑے سخی۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت میں ۲۰ھ یا ۲۱ھ میں وفات ہوئی حضرت عمر رضی اللہ عنہ ان کے وصی تھے۔ چار ہزار دینار قرض چھوڑا جس کو حضرت فاروق اعظم نے باغ کی آمدنی سے ادا کیا (الاستیعاب) غزوۂ بدر میں مشیر خاص تھے۔

حضرت سعد بن خثیمہ رضی اللہ عنہ جب آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم کا قباء میں قیام تھا تو عام نشست اُن کے یہاں ہوتی تھی۔ جو حضرات مہاجرین تن تنہا آتے تھے وہ بھی انہیں کے یہاں ٹھہرتے تھے۔ جب غزوۂ بدر کے موقع پر آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم روانہ ہونے لگے تو باپ (خثیمہ) اور بیٹے (سعد) نے طے کیا کہ ہم میں سے ایک مکان پر رہے، ایک ساتھ جائے۔ پھر باپ بیٹے میں بحث ہوئی کہ کون ساتھ جائے: بحث ختم کرنے کے لیے قرعہ ڈالا تو قرعہ میں بیٹے (حضرت سعد) کا نام نکلا۔ باپ نے بیٹے سے اپیل کی کہ اپنا حق مجھے دے دیں اور مجھے جانے دیں تو بیٹے نے کہا کوئی اور معاملہ ہوتا تو میں آپ کے لیے اپنا حق بخوشی چھوڑ دیتا مگر یہ راہِ خدا میں قربان ہونے اور رضائے مولیٰ حاصل کرنے کا معاملہ ہے اس میں تو میں اپنا حق نہیں چھوڑ سکتا۔ چنانچہ آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم کے ساتھ گئے اور جامِ شہادت نوشِ جان کیا (رضی اللہ عنہم اجمعین)

حضرت رفاعہ بن عبد المنذر رضی اللہ عنہ ابو لبابہ کنیت۔ یہ کنیت ہی سے مشہور ہیں۔ غزوۂ بدر اور غزوۂ سویق کے موقع پر جب آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم تشریف لے گئے تو انہیں کو مدینہ کا ناظم امور (والی) بنا گئے۔ غزوۂ خندق کے بعد

بنو قریظہ کا مسئلہ پیش ہوا جنھوں نے غزوۂ خندق کے وقت غداری کی تھی بنو قریظہ منتظر تھے کہ اُن کے متعلق کیا فیصلہ کیا جائے گا ابولبابہ سے دریافت کیا تو اُنھوں نے گردن کی طرف اشارہ کیا کہ سب غداروں کو قتل کیا جائے گا۔ پھر احساس ہوا کہ مَیں نے راز فاش کر دیا تو مسجد شریف میں آکر اپنے آپ کو کھمبے سے باندھ دیا اور کھانا پینا سب بند۔ نماز کے وقت اُن کی صاحبزادی آکر اُن کو کھول دیتی تھیں تو نماز میں شریک ہو جاتے تھے۔ چھ روز تک اور بعض روایتوں کے بموجب چودہ پندرہ دنوں تک اسی طرح بندھے رہے پھر سورۂ توبہ نازل ہوئی، آپ کو بشارت دی گئی اور کھولنے کا ارادہ کیا گیا۔ آپ نے منع کر دیا کہ مَیں قسم کھا چکا ہوں کہ جب تک آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم خود نہ کھولیں گے میں نہیں کھولوں گا، چنانچہ خود سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے دستِ مبارک سے اُن کو کھولا حضرت علی رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت میں اُن کی وفات ہوئی۔ بغیر کھائے پیئے بندھے رہنے کا اثر ظاہری جسم پر یہ پڑا کہ قوتِ سماعت ختم ہو گئی تھی لاستیعاب۔

قریش کا تعاقب

یہ اجلاس جو پہاڑ کی گھاٹی میں ریت کے فرش پر چاند کی چاندنی میں کیا گیا تھا بہت ہی خفیہ تھا۔ جانے والے بھی ایک ایک کر کے گئے تھے۔ اسی طرح نہایت خاموشی سے واپس ہوئے، لیکن پچھتر[1] آدمیوں کی نقل و حرکت چھپنے والی نہیں تھی۔ لوگوں نے بھانپا۔ کچھ بھنک قریش کے کانوں میں بھی پڑی۔ فوراً دوڑے اور جیسے ہی صبح ہوئی۔ تحقیقات شروع کر دی۔ اہلِ مدینہ کے خیموں میں پہنچے اور کہا۔

"ہمیں معلوم ہوا ہے کہ آپ لوگ اس لیے آئے ہیں اور کوئی ایسا معاہدہ کر چکے ہیں کہ اس صابی۔ (آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم) کو اپنے ساتھ لے جائیں گے اور ہمارے مقابلہ پر محاذ قائم کریں گے۔ ہم آگاہ کیے دیتے ہیں "محمد" کو لے جانا ہمارے لیے چیلنج ہوگا۔ طاقت آزمانی ہو تو ایسا کر لو۔"

رؤسا مدینہ عبداللہ بن ابی بن سلول وغیرہ سے قریش کے تعلقات تھے اُنھی سے تعارف تھا۔ اُنھی سے تحقیقات کا سلسلہ شروع کیا گیا اور اُنھی سے یہ باتیں کہی گئیں۔ اُن میں سے کوئی بھی اس بیعت میں شریک نہیں ہوا تھا نہ اُن کو خبر تھی۔ اُنھوں نے قسمیں کھا کھا کر انکار کیا۔ عبداللہ بن ابی بن سلول

---

[1] بشمول آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم و حضرت عباس رضی اللہ عنہ۔

نے کہا۔ میری قوم اگر ایسا کرتی تو وہ یقیناً مجھ سے مشورہ کرتی۔ ورنہ کم از کم خبر ضرور دیتی۔ یہ ممکن نہیں میری اطّلاع بغیر کوئی ایسا عمل ہو جائے۔

یہ انکار کرنے والے سچے تھے، لیکن بیعت کرنے والوں کو فکر تھی کہ اُن سے دریافت کیا گیا تو کیا جواب دیں گے۔ وہ خاموش تھے اور ایک دوسرے کو دیکھ رہے تھے۔ دفعتہً حضرت کعب بن مالک کی نظر ایک قریشی رئیس زادے "حارث بن ہشام مخزومی" کی نئی جوتیوں پر پڑ گئی جو قیمتی اور خوبصورت تھیں۔ اُنہیں مذاق کرنے اور لوگوں کی توجّہ ہٹانے کا موقع مل گیا۔ اُنھوں نے عبداللہ بن ابی بن سلول کو مخاطب کر کے کہا۔ دیکھیے جوتیاں ایسی ہونی چاہئیں۔ آپ رئیس مدینہ اور قوم کے سردار ہیں۔ آپ بھی ایسی ہی جوتیاں پہنا کیجیے۔ اس مزاحیہ فقرہ کو حارث نے طنز سمجھا۔ اس نے دونوں جوتیاں نکال کر کعب کی طرف پھینک دیں۔ لو تم پہنو، خُدا کی قسم ضرور پہنو۔

حضرت کعب فرماتے ہیں کہ عبداللہ بن ابی نے دیکھا کہ حارث کو ناگواری ہُوئی ہے تو اُس نے مجھے ڈانٹا۔ تم نے خواہ مخواہ ان کو ناراض کر دیا۔ ان کی جوتیاں واپس کر دو۔ مَیں نے کہا۔ یہ دے چکے ہیں اَب میں واپس نہیں کروں گا اور دل میں سوچا یہ فال نیک ہے۔ عنقریب وہ وقت آئے گا کہ مَیں ان تکلّفات کو ان لوگوں سے ختم کر دوں گا۔

بہرحال اس طنز اور مذاق میں اصل بات رل گئی۔ ہماری جان بچ گئی۔ ہم سے کسی نے نہیں پُوچھا جب یہ لوگ ہمارے خیموں سے باہر نکل گئے تو طے شُدہ پروگرام کے بموجب بیعت کرنے والے حضرات نے کھسکنا شروع کیا۔ قریش کو پھر احساس ہُوا، وہ پھر دوڑے، مگر ہم سب نکل چکے تھے دو آدمی کسی طرح باقی رہ گئے تھے اُن کو راستہ میں پکڑ لیا۔ یہ قبیلۂ خزرج کے رئیس سعدؓ بن عبادہؓ تھے اور اسی قبیلہ کے دوسرے صاحب منذر بن عمرو۔ یہ دونوں نقیب بھی منتخب ہُوئے تھے۔ حضرت منذر پھر بھی کسی طرح بچ کر نکل آئے لیکن حضرت سعد رضی اللہ عنہ نہ نکل سکے۔ اونٹ کے کجاوہ میں سے چمڑہ کا تسمہ نکال کر اُن کی مُشکیں کس دیں۔ اُن کے سر پر بڑے بال تھے مارتے پیٹتے اور اُن کے بڑے بال کھینچتے ہُوئے مکّہ میں لے گئے وہاں لوگوں نے بہت ذلیل کیا مارا پیٹا۔ کسی نے مُنہ پر بھی تھوک دیا۔

انہی حضرت سعد رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ ایک شخص آیا۔ بظاہر نہایت سنجیدہ نیک خصلت،

شریف صورت تھا۔ مجھے خیال آیا کہ یہ مجھ پر رحم کرے گا اور میری جان چھڑا دے گا۔ مگر ع

بھولی بھالی شکل والے ہوتے ہیں جلاد بھی

میرے پاس پہنچا تو اس نے رحم کے بجائے بڑے زور سے کھینچ کر طمانچہ مارا۔ تب میں نے سوچا کہ ان انسان نما وحشیوں میں کم از کم مسلمانوں کے حق میں شرافت کا نام و نشان نہیں رہا۔ ایک اور شخص جو غالباً یہ حرکتیں دیکھتے دیکھتے تھک گیا تھا۔ اس نے کہا کیا مکّہ میں تمہارا کوئی حلیف نہیں ہے۔ تب مجھے خیال آیا۔ میں نے کہا میرے بہت سے حلیف ہیں۔ جبیر بن مطعم بن عدی سے میرے تجارتی تعلقات بھی ہیں، حارث بن حرب بن اُمیّہ سے بھی میرے تعلّقات گہرے ہیں آپ کی عنایت ہو گی۔ اُن میں سے کسی کو خبر کر دو۔ یہ شخص گیا۔ حرم کعبہ کے قریب ہی اُن سے ملاقات ہو گئی، اُن کو میرا نام بتایا۔ یہ دونوں آئے اور ان ظالموں سے مجھے نجات دلائی۔[1]

مکّہ معظّمہ میں اُصولِ کار (پروگرام) ہاتھ نہیں اُٹھا سکتے۔

تیرہ سال مکہ معظمہ میں گزرے۔ اس طویل مُدّت میں پروگرام یہ تھا۔

① كُفُّوْٓا اَيْدِيَكُمْ[2] ہاتھ روکو

② اَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ نماز قائم کرو (اللہ سے تعلّق مضبوط کرو)

③ اٰتُوا الزَّكٰوةَ زکوٰۃ[3] ادا کرو۔

④ وَاَقْرِضُوا اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا[4] اللہ تعالیٰ کو قرض حسن دیتے رہو۔

مگر اس موقع پر جب بیعت اس پہ بھی لی گئی کہ حضرات انصار جس طرح اپنی جانوں اور اپنی اولاد کی حفاظت کرتے ہیں آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم کی بھی حفاظت کریں گے تو امام المغازی ابن اسحاقؒ

---

[1] طبقات ابن سعد ص: ۱۵۰، ج: ۱، یہ تفصیل امام المغازی ابن اسحاق کی روایت سے ماخوذ ہے سیرۃ ابن ہشام ص ۲۷۰ ج ۱

[2] سورہ نساء آیت ۷۷ [3] یہ پہلے گزر چکا ہے کہ مکّہ معظّمہ میں زکوٰۃ کا حکم تو ہوا مگر اس کا نصاب مقرر نہیں کیا گیا نصاب مدینہ طیّبہ میں ۲ھ میں مقرر کیے گئے پس مکّہ معظّمہ میں زکوٰۃ اور قرض حسن کا فرق محض مصرف کے لحاظ سے تھا۔ یعنی غریبوں اور مسکینوں کو جو کچھ دیا جاتا وہ زکوٰۃ اور غلاموں کو خرید کر رہا کرنا یا دوسرے ملّی اور اجتماعی کاموں میں خرچ کو قرآن حکیم میں قرض سے تعبیر فرمایا گیا۔ حاصل یہ کہ جو کچھ ہو خرچ کر ڈالو اور جو کچھ خرچ کرو گے اللہ تعالیٰ کے یہاں اس سے بہتر ملے گا۔ (واللہ اعلم بالصواب) [4] سورۃ المزمل آیت ۲۰۔

کی رائے یہ ہے کہ یہ اس طرف اشارہ تھا کہ ہاتھ روکنے کا پروگرام آئندہ نہیں رہے گا بلکہ ہاتھ اُٹھانے کی بھی اجازت ہوگی[1] چنانچہ جب بیعت ہو چکی تو ایک منچلے بہادر حضرت عبّاس بن عبادہ بن فضلہ نے عرض کیا یا رسُول اللہ اگر اجازت ہو تو ہم صُبح ہی کو ان لوگوں کو تلوار کے ہاتھ دکھاویں۔ آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا۔ ابھی مجھے اس کا حکم نہیں مِلا ہے[2]

---

[1] سورۂ حج اگرچہ مدنی ہے مگر ماہرینِ قرآن کی ایک جماعت کی تحقیق یہ ہے کہ اِذن قتال کی آیت ۳۹ (اذن للذین یقاتلون۔ تا آخر) مکہ معظّمہ ہی میں نازل ہو چکی تھی یعنی الفاظِ بیعت میں جس کی طرف اشارہ تھا اس کے متعلق صریح حکم بھی مکّہ معظّمہ ہی میں نازل ہو چکا تھا۔ البتّہ ابھی عمل کا حکم نہیں ہُوا تھا۔ عمل کا حکم جب ہُوا جب مدینہ منوّرہ میں طاقت مجتمع ہوگئی اور محاذ قائم ہوگیا (واللہ اعلم بالصواب) ماخوذ از سیرۃ ابن ہشام ص: ۲۸۰، ج: ۱۔

[2] یہ آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم کی انتہائی احتیاط اور اطاعت شعاری تھی کہ صرف اجازت سے آپ نے فائدہ اُٹھانا مناسب نہیں سمجھا بلکہ حکم صریح کے منتظر رہے جو مدینہ میں مرکز قائم ہونے کے بعد مِلا۔ (واللہ اعلم بالصواب)۔

انتقالِ پُر ملال

جناب محترم صوفی عبدالمجید صاحب مرحوم جو کہ محترم صوفی عبدالحمید صاحب مرحوم سابق وزیرِ زراعت مغربی پاکستان کے صاحبزادے تھے ۸ رمضان المبارک کو نماز مغرب کے دوران اچانک دل کا دَورہ پڑنے سے انتقال فرما گئے۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْن۔ مرحوم بہت ہی سادہ اور عمدہ صفات کے حامل تھے۔ حضرت اقدس بانی جامعہ کے خصوصی حلقہ نشینوں میں تھے اہلِ علم حضرات کی قدر دانی و خدمت گزاری آپ کا محبوب مشغلہ تھا۔ لاہور میں حضرت مولانا عبدالقادر صاحب رائپوری رحمۃ اللہ علیہ کا قیام ہمیشہ آپ کے والد مرحوم کی رہائش گاہ واقع جیل روڈ پر ہوا کرتا تھا۔

حضرت اقدس نوراللہ مرقدہ کے ایک قدیم رفیق کار اور سیالکوٹ کی مشہور شخصیّت جناب پیر بشیر احمد صاحب گیلانی گزشتہ دنوں ۱۵ رمضان المبارک کو طویل علالت کے بعد وفات پا گئے اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعون۔ مرحوم بہت اچھی فہم و دانش کے مالک تھے اور وضع دار انسان تھے مذکورہ بالا ہر دو حضرات کی وفات کو اہلِ جامعہ بہت بڑا خلا تصور کرتے ہوئے اُن کے پسماندگان سے تعزیت کرتے ہیں اور دُعا کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ مرحومین کو جوارِ رحمت میں جگہ عطا فرمائے اور پسماندگان کو صبرِ جمیل عطا فرمائے۔ (آمین)

شاہد فاروق
(واہ کینٹ)

(قسط: اوّل)

مولانا نسیم احمد فریدیؒ

دارالعلوم دیوبند نے اپنے روزِ قیام سے لے کر اب تک ایک صدی سے کچھ زائد عرصے میں ہزاروں علماء پیدا کیے جنہوں نے نہ صرف برّصغیر پاکستان و ہند میں علمی و دینی خدمات انجام دیں بلکہ اُن کے اثرات عالم اسلام کے کونے کونے میں محسوس کیے جا رہے ہیں۔ ان ہزاروں علماء میں سینکڑوں ایسے ہیں جنہوں نے زبان و بیان کے ساتھ قلم و قرطاس کے ذریعے دین کی اشاعت میں حصّہ لیا۔

ماضی قریب میں اَبنائے دارالعلوم دیوبند میں سے جن لوگوں نے زندگی بھر قلم و قرطاس سے رابطہ قائم رکھا اور اپنے میدان میں ایسے کارنامے انجام دیے جو واقعتاً علمی دُنیا میں وقیع اضافے سمجھے جاتے ہیں۔ ان ممتاز اَبنائے دارالعلوم میں مولانا نسیم احمد فریدی امروہوی مرحوم کا نام بہت نمایاں ہے۔

مرحوم کی بعض تالیفات پاکستان میں بھی شائع ہوئی ہیں اور یہاں اُن کے قارئین کا وسیع حلقہ ہے، مگر حیرت ہے کہ یہاں اُن کی رحلت پر کچھ زیادہ نہیں لکھا جا سکا۔ ماہنامہ "الفرقان" (لکھنؤ) نے اُن کی رحلت پر ایک خصوصی اشاعت پیش کی تھی۔ اسی اشاعت میں شامل مضامین پر مبنی مولانا فریدی کی حیات و خدمات کے بارے میں بنیادی معلومات فراہم کی جاتی ہیں۔

خاندان اور نسب مولانا نسیم احمد فریدی بن مولوی حسین احمد کا سلسلہ نسب والد کی طرف سے حضرت بابا فرید الدّین مسعودؒ گنج شکر سے ملتا ہے اور اسی نسبت سے فریدی کہلاتے تھے۔ بابا فرید الدّینؒ گنج شکر خلیفہ دوم حضرت عمر فاروقؓ کی اولاد میں سے تھے۔ سب سے پہلے بابا فرید گنج شکر کے فرزند شیخ نظام الدّین کے اخلاف پاکپٹن سے امروہہ آئے تھے۔ شیخ نظام الدین کے پوتے شیخ سالار کو سلطان فیروز شاہ تغلق نے امروہہ کے نواح میں جاگیر عطا کی تھی۔ امروہہ میں یہ خاندان جس محلّے میں آباد تھا وہ "محلّہ شیخ زادگان" کے نام سے معروف تھا اور اب "محلہ جھنڈا شہید" کے نام سے مشہور ہے۔

علم سے محبّت شروع ہی سے اس خاندان کا خاصہ رہا ہے۔ انگریزی ملازمت کا سلسلہ مولانا نسیم احمد فریدی کے دادا مولوی بشیر احمد (م ۱۹۱۵ء) اور اُن کے بڑے بھائی ارشاد علی سے شروع ہوتا ہے۔ مولانا حسین احمد فاروقی (م ۱۹۱۴ء) مولانا فریدی کے والد ماجد تھے۔

مولانا فریدی کی والدہ ماجدہ جمیلہ خاتون، روہیل کھنڈ کے مشہور بزرگ حضرت مخدوم ابوالفتح سیّد عبداللہ المعروف شاہ ابن بدر چشت کرمانی کی اولاد میں سے تھیں جن کا نسب نواسہ رسول حضرت حسینؓ تک پہنچتا ہے۔ آپ کے نانا حکیم احمد حسن اور آپ کے ماموں حکیم احمد علی رضوی امروہہ کے مشہور طبیب تھے۔

بچپن مولانا فریدی اپنے بہن بھائیوں میں سب سے چھوٹے تھے۔ اُن کی ولادت ستمبر ۱۹۱۱ء بمطابق رمضان المبارک ۱۳۲۶ء میں اپنے آبائی مکان واقع محلہ جھنڈا شہید امروہہ (ضلع مراد آباد) میں ہوئی۔ اُن کی عمر ابھی پُورے چار سال نہ ہوئی تھی کہ والد کا سایہ سر سے اُٹھ گیا اور اُس کے تقریباً ایک سال بعد اُن کے دادا بھی اللہ کو پیارے ہو گئے۔ والد اور دادا کی رحلت کے بعد اُن کی کفالت اُن کے ماموں سیّد علی احمد رضوی نے کی۔

تعلیم و تربیت مولانا نے ایک ایسے گھرانے میں آنکھ کھولی جس کے کئی افراد علمی اور تعلیمی اعتبار سے پُورے علاقے میں ممتاز تھے اُنھوں نے ناظرہ قرآن کریم حافظ قاری رئیس احمد امروہوی (م ۱۹۸۳) سے پڑھا۔

اُنھوں نے ابتدائی تعلیم پرائمری سکول محلّہ پیرزادگان امروہہ سے حاصل کی جہاں ایک ماہر معلّم منشی نسیم احمد تعلیم دیتے تھے۔ بعد میں مڈل سکول امروہہ میں زیرِ تعلیم رہے۔ ۱۹۲۷ء میں اُنھوں نے نور المدارس (امروہہ) میں داخلہ لیا اور منشی عبدالرب شکیب کی نگرانی میں منشی، منشی فاضل مولوی اور مولوی فاضل کے امتحانات امتیاز کے ساتھ پاس کیے۔

مدرسہ چلّہ (امروہہ) میں تدریس مولوی فاضل ہونے کے بعد مولانا فریدی مدرسہ چلّہ امروہہ میں تدریسی خدمات سرانجام دینے لگے اور ساتھ ساتھ مولانا انوار الحق صدیقی سے مروجہ درسِ نظامی کا آغاز کیا۔ ان سے بالخصوص "ھدایۃ النحو" پڑھی۔

جامعہ اسلامیہ عربیہ امروہہ[1]

کچھ عرصے بعد جامعہ اسلامیہ عربیہ امروہہ چلے گئے۔ یہاں اُنھوں نے مولانا سیّد رضا حسین رضوی اور مولانا انوار الحق عباسی سے حدیث، تفسیر، فقہ اور دیگر علوم متداولہ کی تحصیل کی۔ اُنھوں نے مولانا انوار الحق عباسی سے خصوصی طور پر علم فرائض سیکھا۔ حضرت مولانا عبدالرحمٰن صدیقی امروہوی سے قدوری پڑھنے کا شرف حاصل کیا۔ یہیں آخری کتابیں مثلاً بیضاوی اور جامع ترمذی پڑھنے کے بعد ۱۳۵۴ھ میں دیوبند تشریف لے گئے۔

دارالعلوم دیوبند

جب مولانا فریدی دیوبند پہنچے تو دارالعلوم حسبِ سابق پُر بہار تھا۔ شیخ الاسلام حضرت مولانا حسین احمد مدنیؒ ادارے کے صدر اور مولانا قاری محمد طیّب قاسمیؒ مہتمم تھے۔ اُن کے علاوہ جو دوسری ہستیاں دارالعلوم کی رونق بڑھا رہی تھیں اُن میں شیخ الادب والفقہ مولانا اعزاز علی امروہوی مولانا سیّد اصغر حسین محدّث دیوبندی مولانا مفتی محمد سہول بھاگلپوری، مولانا ابراہیم بلیاوی، مولانا عبدالسمیع دیوبندی اور قاری حفظ الرحمٰن پرتاب گڑھی خاص طور پر قابلِ ذکر ہیں۔

مولانا نسیم احمد فریدی نے شیخ الاسلام حضرت مولانا سیّد حسین احمد مدنیؒ سے صحیح بخاری اور مولانا سیّد اصغر حسین محدّث دیوبندی سے سُنن ابی داؤد کا درس لیا۔ صحیح مسلم علّامہ محمد ابراہیم بلیاویؒ سے پڑھی اور ایک سال بعد ۱۳۵۵ھ میں دورہ حدیث سے فراغت پائی۔

---

[1] حضرت مولانا نانوتوی نے امروہہ کے بعض اربابِ علم کو مشورہ دیا کہ اس سرزمین میں جہاں حضرت شاہ عضد الدین، حضرت شاہ عبدالہادی اور شاہ عبدالباری نے اپنے فیوض کو تمام دُنیا میں پھیلایا کیوں نہ ایک دینی عربی مدرسہ قائم کیا جائے، چنانچہ حضرت والا کے ایما پر یہاں کے حساس مسلمانوں نے جامعہ اسلامیہ عربیہ کی داغ بیل ڈالی۔ ۱۳۰۳ھ میں اُن کے شاگردِ رشید راس الاذکیا حضرت مولانا احمد حسن صاحب محدث امروہوی نے مرادآباد کے مدرسہ شاہی سے تشریف لاکر اس مدرسے کو چار چاند لگا دیے اور اُس کے نظام کو باقاعدہ اور باضابطہ بنایا۔ حدیث و تفسیر، فقہ و تصوّف غرضیکہ معقولات و منقولات میں سے ہر فن کی تعلیم دی جانے لگی۔ مولانا سیّد اعجاز حسین۔ ایک اسّی سالہ تاریخی درسگاہ، جامع اسلامیہ عربیہ امروہہ (ماہنامہ "البلاغ"، بمبئی۔ تعلیمی نمبر ص: ۲۳۹ - دسمبر ۱۹۵۴ء، جنوری/فروری ۱۹۵۵ء)

دورہ حدیث کے بعد تقریباً ڈیڑھ سال ان کا قیام دارالعلوم دیوبند میں رہا۔ اس دوران میں قاری حفظ الرحمٰن پرتاب گڑھی سے تیسویں پارے کی مشق کی اور مولانا سہول بھاگلپوری مولانا ریاض الدین افضل گڑھی اور مفتی محمد شفیع سے افتا میں مہارت حاصل کی۔

مولانا اشرف علی تھانویؒ کی خدمت میں

قیامِ دیوبند کے زمانے میں اُنہیں ایک بار مولانا اشرف علی تھانویؒ کی خدمت میں حاضری دینے کا موقع ملا تھا۔ مولانا تھانوی کے مزاج اور قواعد کے متعلق وہ سُن چکے تھے۔ جب کچھ دوسرے طالب علموں کے ہمراہ مولانا تھانوی کی خدمت میں حاضر ہُوئے تو مولانا نے پُوچھا کون ہو؟ مولانا فریدی نے نہایت مؤدبانہ جواب دیا۔ "ہم دیوبند کے طالب علم ہیں اور آپ سے ملنے آئے ہیں؛ دو دن قیام کا ارادہ ہے"۔ یہ مکمّل جواب سُن کر مولانا تھانوی بہت خوش ہُوئے اور فرمایا کہ طالبعلموں کا یہی انداز ہونا چاہیے۔ پھر مسلسل دو دن اپنی عنایات سے نوازتے رہے۔

سفر لاہور

لاہور میں شیخ التفسیر حضرت مولانا احمد علی لاہوریؒ کے درس قرآن کو بڑی شہرت تھی۔ مولانا نسیم احمد فریدی بھی اس درس سے فیض یاب ہونے کے لیے ۱۹۳۶ء میں لاہور آئے اور تین ماہ مولانا احمد علیؒ سے استفادہ کیا۔ رُخصت ہوتے وقت مولانا احمد علیؒ نے اُنھیں سَند سے نوازا۔

لاہور کے دورانِ قیام اُنھوں نے معاصر اہلِ علم سے راہ رسم رکھی۔ علّامہ اقبال کی محفل میں بیٹھنے کا بھی انہیں شرف حاصل ہُوا تھا۔

دیوبند واپسی

لاہور کے مختصر قیام کے بعد وہ دیوبند آئے اور شیخ الادب والفقہ حضرت مولانا اعزاز علی سے ادبِ عربی کی معروف کتب متنبّی، حماسہ، سبعہ معلقہ اور مفتاح العروض پڑھیں۔ علّامہ ابراہیم بلیاوی سے مسلم الثبوت اور توضیح و تلویح کا درس لیا اور مولانا حکیم محمد عمر صاحب قاسمی دیوبندی سے طب اور "شرح اسباب" پڑھی۔

قیام بریلی

مولانا فریدی دیوبند سے فارغ ہُوئے تو مدرسہ اشفاقیہ بانس بریلی میں ایک اُستاد کی جگہ خالی تھی۔ حضرت مولانا محمد منظور نعمانی کی جوہر شناس نگاہ اور مولانا نسیم احمد فریدی

پر پڑی اور اُنھیں بریلی بلالیا۔ اس وقت رسالہ "الفرقان" مولانا نعمانی کی قیادت میں بریلی سے نکلتا تھا۔ مولانا نے ۱۹۳۸ء میں الفرقان کے "مجدد الف ثانی نمبر" میں "تذکرہ خلفاء مجدد الف ثانی" کے عنوان سے ایک مضمون لکھا جسے علمی حلقوں میں بڑی پذیرائی حاصل ہوئی اور یہ مضمون آپ کے تصنیفی سلسلے کی پہلی کڑی ثابت ہوا۔

۱۹۴۲ء میں بعض گھریلو مجبوریوں کے تحت مدرسہ اشفاقیہ بریلی سے الگ ہوکر امروہہ آگئے۔

جامعہ اسلامیہ عربیہ امروہہ میں درس وتدریس

مولانا نسیم احمد فریدی نے مدرسہ اشفاقیہ چھوڑنے کے بعد اپنی مادرِ علمی جامعہ اسلامیہ عربیہ امروہہ میں درس وتدریس کا کام شروع کیا اور بہت زیادہ عزّت وشہرت پائی اس دور میں جامعہ کی مالی حالت اچّھی نہ تھی اس لیے مولانا کی تنخواہ بہت قلیل تھی شروع میں غالباً ۲۵ یا ۳۰ روپے ماہوار تھی، تاہم اس کے باوجود مولانا نے بہت محنت اور لگن کے ساتھ اپنے فرائض تدریس انجام دیے اور کبھی تنخواہ میں اضافے کا مطالبہ نہیں کیا۔ دراصل مولانا جانتے تھے کہ وہ دین کی جو خدمت کر رہے ہیں اُس کا اصل صلہ اللہ تعالیٰ دے گا اس زمانے میں مدرسے کے صدر مدرس مولانا حافظ عبدالرحمٰن صدیقی کے صاحبزادے مولانا عبدالقدوس تھے۔ مولانا عبدالقدوس کی وفات کے بعد مولانا فریدی کو صدر مدرس مقرر کیا گیا۔ وہ ۱۹۷۴ء میں اس ذمّہ داری سے کمزوریِ بصارت کے سبب الگ ہوئے لیکن مدرسے میں اعزازی طور پر درس جاری رکھا۔ جامعہ عربیہ میں تدریس کے دوران میں اُنھیں مسلم یونیورسٹی علی گڑھ کی دینیات کی پروفیسری کی پیش کش ہوئی لیکن اُن کا خیال تھا کہ ابھی ان سے مادرِ علمی کا حق ادا نہیں ہوسکا۔ اس لیے جامع مسجد امروہہ کے اس مدرسے میں تدریس کو ترجیح دی۔

منصب افتاء

مولانا فریدی جب تک مدرسہ عربیہ جامع مسجد میں درس دیتے رہے، افتاء کا منصب بھی اُن کے پاس رہا۔ وہ نہایت احتیاط سے اور اگر ضرورت پڑتی تو کئی کئی کتب کا مطالعہ کرکے فتوٰی لکھتے تھے۔ ان کے فتووں اور فیصلوں کا بہت احترام کیا جاتا تھا۔ اُنھوں نے اپنی زندگی میں مسجد کی چٹائی پر بیٹھ کر اتنے فیصلے دیے جتنے

شاید ہی کسی جج نے عدالت کی کرسی پر بیٹھ کر دیے ہوں گے۔ روزنامہ اخبار "آزاد ہند" (کلکتہ) نے ۲۶ اکتوبر ۱۹۸۸ء کی اشاعت میں لکھا ہے:

"امروہہ کے تمام مسلمان دینی اور دنیاوی معاملات میں ان (مولانا نسیم احمد فریدی) کو آخری جج مانتے تھے اور اُن ہی کی تحریک پر لاکھوں روپے کے خرچ سے جامع مسجد اور اس سے ملحقہ عمارتوں کی تجدید و توسیع بھی ہوئی۔"

اگر کسی معاملے میں مولانا سے فتویٰ طلب کیا جاتا اور وہ فیصلہ دے دیتے تو امروہہ کے عوام کہتے تھے کہ "اچھا تو فیصلہ سپریم کورٹ میں ہوا ہے"۔ سپریم کورٹ سے مراد مولانا فریدی کی عدالت ہوتی تھی۔

حج کے لیے روانگی

مولانا فریدی مارچ ۱۹۶۱ء میں حج بیت اللہ کے لیے تشریف لے گئے۔ مکہ مکرمہ میں زیارت وطواف کے بعد جو وقت باقی بچتا وہ "مدرسہ صولتیہ" کے کُتب خانے میں صرف کرتے۔ وہاں سے اُنھوں نے کئی نادر کتب برآمد کیں۔ ان ہی کُتب میں مثنوی "مولس مہجوراں" شامل ہے جس میں ۱۸۵۷ء کے مجاہد حافظ ضامنؒ شہید کا حال مرقوم ہے۔

صدر جمہوریہ ہند کی سند امتیاز

حکومتِ ہند کی جانب سے عربی اور فارسی کے اہل علم کی خدمات کا اعتراف کرنے کے لیے انہیں سند امتیاز دی جاتی ہے جس کے ساتھ پانچ ہزار روپے سالانہ پنشن تاحیات ملتی ہے۔ مولانا نسیم احمد چونکہ عربی اور فارسی کے بلند پایہ عالم تھے۔ لہٰذا وہ بجا طور پر اس کے مستحق تھے، اُنھوں نے خود کبھی بھی اس کی تمنّا نہ کی۔ اُن کے احباب کی خواہش تھی کہ وہ سند امتیاز حاصل کریں۔ آخر ایک روز مولانا کے نام حکومتِ ہند کا یہ تار آگیا کہ وہ سند امتیاز قبول کریں۔ مولانا نے اپنے احباب کے ایما پر یہ سند قبول کی۔ ۲۰ مارچ ۱۹۸۲ء کو راشٹرپتی بھون میں صدر جمہوریہ ہند سے سند اور شال وصول کی

رُوحانی نسبت اور تبلیغی جماعت سے تعلق

مولانا فریدی نے ابتداءً خواجہ عبداللہ امروہویؒ کی صحبتوں سے استفادہ کیا تھا۔ (خواجہ عبداللہ

امروہویؒ حضرت نانوتویؒ کے شاگرد اور حاجی امداد اللہ مہاجر مکیؒ کے خلیفہ مجاز تھے۔ مولانا فریدیؒ کو حضرت مولانا حسین احمد مدنیؒ سے بے حد محبت تھی، چنانچہ اُن سے بیعت ہوئے۔ تبلیغی جماعت سے مولانا فریدیؒ کو خاص تعلق تھا اور اس تعلق نے اُنہیں مولانا محمد زکریاؒ کے قریب کر دیا تھا چنانچہ مولانا مدنیؒ کی وفات کے کافی عرصے بعد اُنھوں نے حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریاؒ سے تعلق ارادت قائم کیا۔ اس کے علاوہ مولانا رضی اللہ شاہ کے روحانی فیوض کی قدر کرتے تھے۔ اُنھوں نے اپنی زندگی میں بے شمار جماعتیں بنا کر مختلف مقامات کے لیے روانہ کیں۔ ہندوستان کی تبلیغی جماعت کی تنظیم میں اُنھوں نے اہم کردار ادا کیا۔ وہ تقسیم ہند سے لے کر وفات تک تقریباً ۳۴ سال مقامی جماعت کے امیر رہے۔

علمائے اہلِ سُنّت اور مولانا فریدی

مولانا فریدی علمائے اہلِ سُنّت (دیوبند) کی خدمات دینیہ کے بہت مداح تھے۔ اُن کے سامنے جب کبھی علمائے اہلسنّت کا ذکر ہوتا تو اُن کی محبّت کا اندازہ اُن کے کھلے ہوئے چہرے سے بآسانی ہوجاتا تھا اور اگر اُن کے سامنے علمائے اہلِ سُنّت پر بے جا تنقید کی جاتی تو اُنہیں غُصّہ آجاتا تھا۔ اُنھوں نے اپنی تصانیف میں عُلمائے اہلِ سُنّت کی خدمات کو بھرپور خراجِ تحسین پیش کیا ہے۔

ان علماء کے ساتھ مولانا فریدی کی وابستگی کی وجہ سے جمعیت علماء ہند کو امروہہ اور اُس کے نواح میں خاصی تقویت ملی۔ وہ خود جمعیت علماء ہند کے سرگرم کارکن تھے اور ضعف و پیری اور بصارت کی کمزوری اور اُس کے بعد محرومی کے باوجود جمعیت کے اجلاسوں میں شرکت کرتے تھے۔

اجازت وخلافت

مولانا کی روحانی نسبت کا ذکر کیا جاچکا ہے۔ یہاں یہ رقم کرنا ضروری ہے کہ کئی معاصر علماء اور اولیاء اللہ نے اُنہیں اجازتِ بیعت دے رکھی تھی۔ سب سے پہلے حضرت مولانا فتح محمد میواتی نے جو حضرت شاہ عبدالقادر رائے پوریؒ کے خلیفہ تھے۔ انھیں اجازتِ بیعت دی۔ پھر شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا مہاجر مدنیؒ نے اجازت دی۔ اس کے بعد حافظ مقبول حسن گنگوہی ثم دہلوی خلیفہ حضرت محمد الیاس کاندھلویؒ نے خرقہ خلافت بھیجا۔ ان ہی مقبول حسن صاحب کے بارے میں مولانا فریدی اکثر کہا کرتے تھے کہ "میں

اُن کا معتقد ہوں اور وہ میرے معتقد ہیں۔"

ان تمام حضرات کی اجازت کے باوجود آپ نے کبھی کسی کو بیعت نہیں فرمایا اور ہمیشہ کسرِ نفسی سے کام لیا۔

علالت اور وصال

شعبان ۱۴۰۸ھ میں اس علالت کا سلسلہ شروع ہُوا جو مولانا کی وفات پر ختم ہُوا۔ بیماری کی حالت میں رمضان المبارک کے روزے رکھے اور تراویح ادا کرتے رہے۔ اس دوران میں کمزوری بڑھ گئی اور پھر بُخار کا سلسلہ شروع ہوگیا ایک ماہ تک شدید علیل رہنے کے بعد صحت یاب ہُوئے اور معمول کے کام کرنے لگے، لیکن کچھ عرصے بعد بیماری نے عود کیا۔ مولانا فریدی ہمیشہ یونانی دوا استعمال کرتے تھے جب یُونانی دواؤں نے اثر نہ کیا اور مرض بڑھنے لگا تو ڈاکٹری علاج شروع ہُوا۔ ڈاکٹر نے ورم جگر اور گُردوں کی کمزوری تشخیص کی۔ تقریباً ایک ماہ تک دوا استعمال کرنے کے باوجود کوئی افاقہ نہ ہُوا اور صحت بگڑتی گئی اور بالآخر ۵ ربیع الاوّل ۱۴۰۹ھ/۱۸ اکتوبر ۱۹۸۸ء بروز سہ شنبہ بوقت پانچ بجے اپنے خالقِ حقیقی سے جا ملے اور دنیائے علم ایک درویش صفت اور عظیم عالم سے محروم ہوگئی۔

تدفین

جب مولانا کی تدفین کا مرحلہ آیا تو اُن کے چاہنے والوں میں اختلاف پیدا ہُوا۔ لوگوں کی کثیر تعداد اس بات پر مصر تھی کہ آپ کو جامع مسجد کے قبرستان میں دفن کیا جائے۔ عزیز و اقارب اُنھیں خاندانی قبرستان میں دفن کرنا چاہتے تھے۔ اس معاملے میں بار بار تکرار ہُوئی اور بالآخر مولانا سیّد اسعد مدنی کے مشورے سے آپ کو محلہ جھنڈا شہید کی مسجد کے ایک حجرے میں دفن کرنا طے پایا۔

بعد نمازِ عشاء ہزارہا لوگوں نے حضرت مولانا سیّد اسعد مدنی کی اقتداء میں نمازِ جنازہ پڑھی اور تدفین عمل میں آئی۔

(پہلی قسط)

حدود و قصاص ○ عورت کی شہادت

اسلامی قانونِ شہادت

شیخ الحدیث حضرت اقدس مولانا سیّد حامد میاں صاحب قدس سرہ العزیز

بانی جامعہ و سابق امیر مرکزیہ جمعیۃ علماء اسلام

حال ہی میں حدود و قصاص میں عورت کی گواہی پر اسلامی نظریاتی کونسل کی قرار داد پر اخبارات میں چند خواتین نے اظہارِ ناراضگی کیا ہے جو کہ قانون سے ناواقف ہیں۔ اس سے پہلے ایسا ہی ردِ عمل ۱۹۸۳ء میں اسی قسم کی ناواقف خواتین و حضرات کی طرف سے ہُوا تھا۔ جس کا جواب اُس وقت حضرت اقدس مولانا سیّد حامد میاں صاحبؒ نے تحریر فرمایا تھا اس وقت چونکہ وہی صورتحال ہے لہٰذا اس مضمون کی افادیت بھی برقرار ہے اسلئے ضرورت محسوس ہوئی کہ بعینہٖ یہ مضمون دو قسطوں میں شائع کر دیا جائے۔ "ادارہ"

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

تمہید آج کل عورتوں کی شہادت کا مسئلہ ملکی اخبارات میں موضوعِ بحث بنا ہُوا ہے۔ اس کے متعلق بہت سے مضامین آچکے ہیں جناب فتح یاب صاحب کے ایک بیان کی وجہ سے یہ خیال کیا جانے لگا کہ یہ ایم آر ڈی کا موقف ہے اس بناء پر جمعیۃ علماء اسلام کو بھی ہدفِ تنقید بنایا گیا۔ حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ مُلک کا پڑھا لکھا طبقہ جو دینی علوم سے ناواقف ہے۔ ایسے ہی خیالات رکھتا ہے۔ ایم۔ آر۔ ڈی یا غیر ایم آر ڈی اور دائیں یا بائیں بازُو کا کوئی فرق نہیں ہے۔ البتہ جو دینی احکام کا مطالعہ کر لیتا ہے اور علماء سے مل کر گفتگو کر لیتا ہے اسے معلومات ہو جاتی ہیں اس کی جو رائے اس نے اپنے خیال سے قائم کر رکھی ہو بدل جاتی ہے، کیونکہ سب مُسلمان ہیں اور خُدا رسول اور احکام شرعیہ کو مانتے ہیں احکام الٰہیہ کے آگے سر جُھکا دیتے ہیں۔

میرا اپنا خیال یہ ہے کہ ایسی صُورتِ حال میں کسی کو بے دین، کافر اور فاسق کہنے سے پہلے اسے احکام الٰہیہ بتلانے چاہییں۔ سخت فتوی دینے میں عجلت سے کام لینا غلط ہے۔ اس سے اصلاح نہیں ہوتی ضد پیدا ہو جاتی ہے۔

ہر قسم کی شہادت میں مساوات کی طلب

عورتوں میں مردوں کے ساتھ مساوات کا جذبہ اُبھرتا جا رہا ہے۔ باپردہ خاندان بے پردہ ہوتے جا رہے ہیں۔ یورپ سے درآمد کیے ہوئے افکار دماغوں پر مسلّط ہیں۔ اُن کا خیال ہے کہ جب اسلام میں مساوات ہے تو ہر قسم کی مساوات ہونی چاہیے حالانکہ "مساوات" اور "مردوں کے شانہ بشانہ" وغیرہ الفاظ پر یورپ میں بھی عمل نہیں ہے بس یہ خوشنما اور معنویت سے خالی جملے ہیں اگر اُن پر عمل ہوتا تو رُوس برطانیہ اور امریکہ میں باری باری ایک سربراہ مرد ہُوا کرتا اور ایک عورت ہُوا کرتی اس تناسب سے اسمبلی، فوج، پولیس اور تمام شعبوں میں نصف یا زائد عورتیں ہُوا کرتیں لیکن ایسا قطعاً نہیں ہے۔ وہاں بھی عورتوں کی فطری صلاحیّت اور اُن کے صنف نازک ہونے کا لحاظ رکھتے ہُوئے اسی کے مطابق کاموں پر لگا دیا جاتا ہے۔ اتنی مساوات اسلام میں بھی منع نہیں ہے، اگر عورت چاہے تو ملازمت کر سکتی ہے۔ اس کے لیے گھریلو صنعت و تجارت بھی جائز ہے، لیکن جائز کام کی ملازمت اور تجارت ہو اور باپردہ ہو۔

لفظ مساوات سے عورتوں کی مُراد

مگر معلوم یہ ہوتا ہے کہ عورتوں کی خواہش یہ نہیں ہے کہ وہ مذکورہ بالا شعبوں میں ملازمتیں حاصل کریں اُن کی خواہش اور لفظ "مساوات" سے مُراد یہ ہے کہ اُنہیں بھی رشتۂ ازدواج میں مردوں کی طرح حقوق حاصل ہوں کہ اگر مرد طلاق دے سکتا ہے تو عورت کو بھی یہ حق حاصل ہو کہ وہ مرد کو طلاق دے سکے۔ اور جس طرح مرد باہر نکلتے اور چلتے پھرتے ہیں اسی طرح عورت بھی بے پردہ پھر سکے اُنھوں نے اس کا مہذّب نام "مساوات" رکھ لیا ہے۔

عورت کو طلاق کا حق

ان دونوں باتوں میں سے اسلام میں ایک بات تو بہ مشورہ علماء عورت حاصل کر سکتی ہے کہ بوقت نکاح یہ معاملہ خاص الفاظ سے طے کر لے لیکن وہ بے پردہ پھرے اجنبی مردوں سے مصافحہ کرے اس کی اجازت اسلام میں نہیں ہے۔

ذہنی اور جسمانی بوجھ سے عورت کی آزادی

البتّہ اسلام نے بے پردگی کے بجائے عورتوں کو دوسری طرح کی آزادی دی ہے وہ یہ ہے کہ کمانے اور مصارف کا بار عورت کے سر سے یکسر اُتار کر مرد پر ڈال دیا ہے وہ محنت کرے کمائے اور گھر کے مصارف

اُٹھائے، کمانے کے ذہنی اور جسمانی بار سے عورت آزاد ہے۔

حدود میں عورتوں کی گواہی کے نہ ہونے کی حکمت

آج کل جبکہ عورتوں کے خیالات اس رُخ پر جا رہے ہیں "شہادت" کا مسئلہ سامنے آگیا۔ عورتوں نے اُسے اپنی حق تلفی تصوّر کیا کہ ایک عورت کو ایک مرد کے برابر نہ ٹھہرایا جائے، حالانکہ یہ حق تلفی نہیں ہے بلکہ اُمورِ فطری اور عوارض کے لحاظ سے حکم دیا گیا ہے اس میں اور بھی بہت سی حکمتیں ہیں۔ یہ حکم کہ حدود میں اُن کی گواہی چاہے وہ دو ہوں معتبر نہ ہوگی۔ ایک طرح رحمتِ خداوندی بھی ہے کہ مجرم کی جان حد لگنے سے بچ جائے اور اُسے توبہ کا ایک موقع دے دیا جائے جیسے کہ اگر گواہ ایک مرد ہو تو بھی حد جاری نہ کی جائے گی۔ گویا خداوند کریم اسے تنبیہ فرما کر موقع دینا چاہتے ہیں کہ وہ باز آجائے اور اپنی اصلاح کر لے۔ ایک نیک مرد کے ساتھ دو نیک باپردہ عورتوں کی گواہی بے شمار جگہ چلتی ہے، مگر حدود میں یہ بھی نہیں چلے گی۔ وہاں عورتوں کے دو ہونے کے باوجود بحکم خداوندی ایک قسم کا شُبہ مان کر اسے حد سے بچا لیا جائے گا۔ اس کے لیے کوئی تعزیری کارروائی تجویز کی جائے گی تاکہ آئندہ وہ ایسی جُرأت نہ کرے۔

شریعت کی احتیاط

آج کل سورہ بقرہ کی آیت نمبر ۲۸۲ کے بارے میں یہ کہا گیا ہے کہ یہ تو عام لین دین اور قرض کے بارے میں ہے کہ ایک مرد اور دو عورتیں گواہ ہوں حدود کے بارے میں نہیں ہے۔ حالانکہ ہر عقل مند یہ سمجھ سکتا ہے کہ اگر عام اور معمولی معاملات میں شریعت نے یہ احتیاط رکھی ہے تو عظیم معاملات میں اس سے زیادہ ہی رکھی ہوگی اور اس سے زیادہ عظیم معاملہ کیا ہوگا کہ کسی کا ہاتھ کٹے یا جان جائے۔

چند آیات کی تفسیر عربی محاورہ، گرائمر

البحر الرائق میں ہے:
زنا کی گواہی کے لیے چار مرد گواہ ہونے لازمی ہیں، کیونکہ حق تعالیٰ نے فرمایا ہے۔

فَاسْتَشْهِدُوْا عَلَيْهِنَّ اَرْبَعَةً مِّنْكُمْ۔ سورۃ النساء پ۴، آیت ۱۵۔

ایسی عورتوں پر اپنوں میں سے چار مرد گواہ لاؤ۔

اور اٹھارہویں پارہ میں سورۃ النور کی چوتھی آیت میں ہے۔

ثُمَّ لَمْ یَاْتُوْا بِاَرْبَعَۃِ شُھَدَآءَ جو لوگ پاک دامن عورتوں پر عیب کا الزام لگاتے ہیں۔ پھر وہ چار مرد گواہ نہ لائیں تو اُن کے اسّی کوڑے مارو اور اُن کی کبھی کوئی گواہی نہ مانو۔ ان دونوں آیتوں میں "اربعۃ" فرمایا گیا ہے جس کا ترجمہ ہے "چار مرد" (اور اگر "اربع" فرمایا جاتا تو ترجمہ ہوتا "چار عورتیں") نصّ قرآنی سے صرف مرد گواہوں کا ہونا ہی ثابت ہو رہا ہے۔ (البحر ص ۶ ج ہفتم)

اگر تین مرد اور دو عورتیں ہوں تو یہ بھی اربعۃ کے مطابق نہ ہوگا اربعۃ اور اربع چار کے لیے ہے اور تین مرد دو عورتیں چار نہیں پانچ بن جاتے ہیں۔ (فتح القدیر ص ۶، ج ششم)

نوٹ: ہر جگہ یہ ہدایت الگ موجود ہے کہ اگر کوئی شخص ایسی بات دیکھے تو بہتر یہی ہے کہ اسے کیس نہ بنائے بلکہ پردہ داری کرے۔

قتل اور چوری میں دو مردوں کے گواہ ہونے کی بُنیاد

زنا کے سوا مثلاً قتل اور چوری میں دو مرد ہی گواہ ہونے ضروری ہیں جیسا کہ سورۂ بقرہ آیت نمبر ۲۸۲ میں مالی معاملات کے ذیل میں ہے۔ اس میں اصل یہ جملہ قرار دیا گیا ہے کہ شَھِیْدَیْنِ مِنْ رِّجَالِکُمْ۔ اپنوں میں سے دو مرد گواہ ہوں لہٰذا حدود میں یہ اصل ہی اگر ہوں گے تو حکم دیا جائے گا اور حد جاری کی جائے گی اور اگر اصل نہ ہوں گے بلکہ اصل کے قائم مقام ایک مرد اور دو عورتیں ہوں گی تو حد جاری نہ کی جائے گی۔ یہی طریقہ جناب رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم اور آپ کے بعد حضرت ابوبکر اور اُن کے بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہما سے ثابت ہے۔ اسی پر اجماع ہے۔ (فتح القدیر، ص: ۶، ج ۶ عنایہ وسعدی جلبی الثانی اور البحر الرائق - ص ۶۰، ج: ۷)

یہ ان آیات کی تفسیر ہے اور یہی صحیح ترین تفسیر ہے جو حدیث فقہ اور تاریخ میں اجماعِ اُمّت سے ثابت ہے اس سے انحراف نہیں کیا جا سکتا۔ بہرحال مجرم اور گناہ گار کو توبہ اور اصلاح کا موقع طرح طرح مہیّا کیا گیا ہے۔

چند مزید صورتیں، احتیاط، دَرگزر

○ مقدمات میں کن الفاظ سے گواہی دی جائے گی۔ اسکی تمام تفصیل فقہ اور فتاوی کی کتابوں میں موجود ہے میں احتیاط کی ایک مثال دے کر سمجھانا چاہتا ہوں کہ چوری کی گواہی دیتے وقت یہ ہدایت دی گئی ہے کہ گواہ یہ بیان دے۔

اَخَذَ ـــ لا ـــ سَرَقَ اس نے یہ سامان لیا ہے یہ نہ کہے کہ اس نے یہ سامان چرایا ہے۔
(البحر ص: ۶۰، ج: ۷)

گویا مقصد یہ ہے کہ بحدِّ امکان اسے ہاتھ کٹنے کی سزا سے خود مدّعی اور گواہ کو بچانا چاہیے یہی شریعت کی تعلیم ہے۔

○ مسند ابی حنیفہ میں امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ نے ایک واقعہ نقل فرمایا ہے کہ جب جناب رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم نے اس چور کے ہاتھ کاٹنے کا فیصلہ دیا تو خود آپ کے چہرہ مبارک پر اس سزا کے صدمہ کا اتنا اثر ہوا کہ چہرہ انور کا رنگ انتہا درجہ بدل گیا۔ کَاَنَّمَا سُفَّ عَلَیْہِ وَاللّٰہِ الرِّمَادُ۔ پھر آقائے نامدار صلّی اللہ علیہ وسلّم نے صحابی کے جواب میں فرمایا کہ تم لوگوں نے اپنے مُسلمان بھائی کے خلاف شیطان کی مدد کی ہے۔ عرض کیا گیا کہ آنجناب نے اسے چھوڑ دیا ہوتا۔ ارشاد فرمایا کہ یہی بات تم نے اسے میرے پاس لانے سے پہلے کر لی ہوتی (یعنی مقدمہ مجھ تک نہ لاتے دعوے نہ کرتے گواہ پیش نہ کرتے) کیونکہ امام (قاضی) کے پاس تک جب کوئی حد کا کیس پہنچ جائے تو اسے یہ نہ چاہیے کہ وہ اسے تعطل میں ڈال دے۔

پھر آپ نے یہ آیت تلاوت فرمائی۔ وَلْیَعْفُوْا وَلْیَصْفَحُوْا۔ اور چاہیے کہ معاف کریں اور درگزر کریں۔ مسند الامام الاعظم۔ ص: ۱۵۵

گواہ اصل ہی کیوں قائم مقام کیوں نہیں؟

یہ سطور اس لیے لکھ رہا ہوں کہ وجہ سمجھنے میں آسانی ہو کہ سورۂ بقرہ کی آیت نمبر ۲۸۲ میں ذکر فرمودہ اصل ہی گواہوں کو حدود میں کیوں لیا گیا ہے۔ قائم مقام یعنی ایک مرد دو عورتوں کو کیوں نہیں لیا گیا۔ مسند کی مذکور حدیث میں جناب رسالتمآب صلّی اللہ علیہ وسلّم نے یہی ترغیب دی ہے کہ جب چور سے مال مل جائے تو بالا ہی بالا معاملہ ختم کر دینا چاہیے یہی بہتر ہے اور اس سے پہلے گواہ کے بیان کے الفاظ میں کہ اَخَذَ (اس نے یہ مال لیا) کہ سَرَقَ (چرایا ہے) نہ کہے اسی چیز کو ملحوظ رکھا گیا ہے۔ کیونکہ قاضی کے سامنے پیش ہو جانے کے بعد آخر وقت تک بچ جانے کی گنجائش ہوتی ہے مالکِ مال اپنا بیان ذرا بھی نرم کر دے تو وہ اس سخت سزا سے بچ جائے گا۔ کس کس طرح وہ اسے بچایا جا سکتا ہے اس کے پندرہ سولہ طریقے تو عام کتابوں میں بھی موجود ہیں۔ جب خدا وہ وقت لائے گا وہ بھی معلوم ہو جائیں گے۔

اشکال و جواب
چور و قاتل کا عورت کے سوا گواہ نہ ہو تو؟

بعض لوگوں نے یہ سوال بھی کیا ہے کہ چور اور قاتل کا اگر عورت کے سوا کوئی گواہ نہ ہو تو مال بھی نہ ملے گا اور جان بھی ضائع جائے گی تو اس کے بارے میں یہ عرض ہے کہ ہم آج اُن کالے قوانین کی موجودگی میں اسلامی قوانین اور اُن کی سرعت نفاذ و فیصلہ کا تصور نہیں کر سکتے اسلام میں کسی بھی مجرم کو پکڑنے کے بعد ریمانڈ کی آرام گاہ سے گزرنے کا موقع نہیں ملتا۔ وہ سیدھا قاضی کے سامنے پیش کر دیا جاتا ہے اس سے قاضی خود بات کرتا ہے۔ مقدمہ سُن کر فیصلہ دے دیتا ہے۔ مجرم کو اتنا موقع نہیں ملتا اور اسے ایسے اسباب نہیں میسر آ سکتے کہ وہ اپنے جرم کو چھپانے کے لیے خود کو تیار کر سکے۔ اس لیے آج دُنیا میں جہاں کہیں تھوڑے بہت اسلامی قوانین جاری ہیں وہاں کبھی ایسا نہیں ہوتا کہ کسی کا خون رائیگاں جائے، ایک عورت کیا ایک بچّہ کی خبر پر بھی مجرم کو پکڑ لیا جائے گا اور اسے اقرار کرتے ہی بنے گی۔

جناب رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم کے زمانہ میں ایک یہودی نے ایک مُسلمان بچّی کا سر پتھر سے کچل دیا۔ وہ ہوش میں تھی، لیکن بول نہ سکتی تھی۔ اس سے پُوچھا گیا کہ تجھے کس نے مارا ہے؟ کیا فلاں نے مارا ہے؟ یا فلاں نے مارا ہے؟ وہ نفی میں اشارہ کرتی رہی حتّٰی کہ مارنے والے کا نام لیا گیا تو اُس نے اثبات میں اشارہ کیا جس پر اُسے پکڑ لیا گیا۔ پُوچھ گچھ ہُوئی تو اس نے اقرارِ جرم کر لیا۔ پھر اُسے بھی اسی طرح مار دیا گیا۔

(بخاری ص: ۳۲۵)

خبر پر بھی کارروائی ہو سکتی ہے

یہ واقعہ مَیں نے مثالاً لکھا ہے یہ حدیث کی بہت سی کتابوں میں موجود ہے۔ سب علماء جانتے ہیں۔ اس لڑکی کا بیان خبر ہی کہلائے گا۔ اسی طرح کسی بچّہ اور عورت کا بیان شرعی نقطۂ نظر سے خبر کہلائے گا اگر گواہ صرف ایک مرد ہو گا تو بھی خبر کہلائے گا گواہی نہیں مگر یہ خبر بہت وزنی ہو گی۔ اس پر مجرم کو پکڑ لیا جائے گا۔

اسلامی حکومت میں قید اور حکومت کی ذمّہ داریاں

شریعتِ اسلامیہ میں رعایا کے لیے قید کی سزا نہیں ہوتی ہے اسی طرح نظر بندی بھی نہیں ہوتی یہ قید ہی ہے اور حبس یعنی قید اسلام میں عذاب ہی شمار ہوتی ہے، چنانچہ قاضی کو شریعت کا یہ حکم ہے کہ وہ چارج لیتے ہی سب سے پہلے قیدیوں کے کیس سُنے (کذا فی المغنی) تاکہ اُنہیں عذاب سے نجات ہو اسلام میں سزاؤں میں جلاوطنی اور نگرانی بھی ثابت ہے۔ قید میں ڈال دینا یہ غیر اسلامی ہے اور شہنشاہی دَور کا

طریقہ ہے، لہٰذا یا تو چور کو سزا دے دی جائے گی یا اسے صاحب حق کسی طرح چھڑا دے گا۔ اسی طرح یا تو قاتل کو قتل کر دیا جائے گا یا مقتول کے وارث اُس سے خُون بہا۔ (دیت) لے لیں گے۔ یا اُسے معاف کر دیں گے۔ قید کی سزا بہت ہی خاص حالات میں ہوتی ہے۔ مثلاً مقتول کے بالغ وارث تو قصاص (قتل کرنا) چاہتے ہیں، لیکن اس کے نابالغ وارث بھی ہیں۔ اُن کی رائے لینے کے لیے قاتل کو قید میں رکھا جائے گا۔ کیونکہ قاتل خُون بہا دے کر بچنا چاہتا ہے اور یہ ممکن ہے کہ وہ جب بالغ ہو کر رائے دینے کے قابل ہوں تو قصاص کے بجائے دِیَتْ (خون بہا) لینے پر آمادہ ہو جائیں اور قاتل کی جان بچ جائے۔ اسی طرح تارکِ صلاۃ وغیرہ کو سمجھانے کی غرض سے قید میں رکھا جا سکتا ہے ورنہ نہیں۔

حدود و قصاص سزا میں تبدیلی نہیں ہو سکتی

چوری کی سزا میں قید، قتل کی سزا میں عمر قید اور قتل کی سزا کو تبدیل کرنے کا حق۔ بجائے وارث کے گورنر یا صدر کو ہونا یہ سب انگریزی قانُون ہیں۔ اسلامی قانُون میں یہ بے تُکی باتیں نہیں ہیں۔

عزّت و جان کی حفاظت حکومت کی ذمّے داری ہے

اسلامی قانُون کی ایک اہم ترین بات یہ ہے کہ جان کی حفاظت حکومت کا ذمہ ہوتی ہے لہٰذا اگر کسی کے قاتل کا پتہ نہ چلے تو حکومت بیت المال (اسٹیٹ بنک) سے مقتول کے ورثہ کو خون بہا یعنی سو اونٹ یا اُن کی قیمت دے گی جس طرح حکومت کے ذمّہ روٹی کپڑا مکان کا بندوبست ہوتا ہے اس سے زیادہ جان اور عزّت کی حفاظت اس کے ذمّہ ہوتی ہے۔ یہ تو حدود میں عورتوں کی شہادت کے بارے میں بیان تھا۔

حدود قصاص کے علاوہ باقی معاملات میں عورت کی گواہی

بحرالرائق میں ہے کہ اسکے سوا ان کے اور معاملات میں کیا اختیارات ہونگے وہ مثلاً عرض ہے۔ نکاح، طلاق، وصیت، وکالت اور نسب وغیرہ میں لین دین کے معاملات میں ہر جگہ عورتوں اور مرد کی ملا کر شہادت معتبر ہے، کیونکہ عورتیں شہادت دینے کی اہلیت رکھتی ہیں کسی واقعہ کا مشاہدہ کرنا اُسے یاد رکھنا۔ اسے دہرا سکنا۔ یہ سب باتیں ان میں بھی ہوتی ہیں اور بھول چوک کا احتمال بھی جہاں دو عورتیں ہوں نہیں رہتا عقل اور سمجھ کی کمی کوئی غیر معمولی نہیں ہوتی ہے ورنہ اللہ تعالیٰ ضرور اُنہیں مردوں سے کم درجہ میں گناہ کا

بھی مکلف قرار دیتے، لیکن ایسا نہیں ہے۔ وہ احکام الٰہیہ کی اسی طرح مکلّف ہوتی ہیں۔ جیسے مرد ہوتا ہے، البتہ کچھ فرق ضرور ہوتا ہے اُن کی یہی کمی حدود میں ملحوظ رکھی جاتی ہے۔" (البحر الرائق۔ ص ۶۲ ج ہفتم)

مرد کے بغیر صرف عورت کی گواہی

اور ایسے معاملات میں جو عورتوں کے متعلق ہوں عورتیں ہی اُنہیں جان سکتی ہوں صرف عورتوں کی گواہی بھی کافی ہوتی ہے یہ مسئلہ تمام کُتب فقہ و حدیث میں ہے۔

عورت علم و فضل، تحریر و انشاء ووٹ جج

عورتیں محدّث بھی گزری ہیں اُن سے مردوں نے سندِ حدیث لی ہے۔ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب کا ایک نسخہ اُن کی محدث شاگرد کریمہ بنت احمد سے لیا گیا ہے۔ آخری دَور میں حضرت شاہ عبدالغنی صاحب محدّث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کی صاحبزادی محدّث گزری ہیں انھوں نے ۱۳۴۸ھ کے قریب مدینہ منوّرہ میں وفات پائی اُن سے بہت سے علماء نے اجازت حدیث لی ہے۔

○ عورتوں کا ووٹ بھی ایک کا ایک ہی شمار ہوگا۔ اس پر آج کے دَور کے علماء کا اتّفاق ہے۔

○ عورتیں جج بھی ہو سکتی ہیں، لیکن وہ حدود کے بارے میں فیصلے نہ دیں گی اور باپردہ رہیں گی۔

(البحر ص ۵ ج ۷، فتح القدیر ص: ۴۸۵ ج ۵)

موجودہ قانون اپیل کی سماعت

موجودہ قانون میں قاتل اور مقتول دونوں کے گھر برباد ہوتے ہیں۔ اسلامی قانون میں ورثہ مقتول کو تباہی سے بچا لیا جاتا ہے نیز اسلامی قانون میں اپیل گورنر یا سربراہ مملکت یا قاضی القضاۃ سُن سکتا ہے لیکن وہ صرف یہ دیکھے گا کہ فیصلہ میں شرعی نقطہ نظر سے کوئی غلطی تو نہیں ہوئی جیسے آج کل سپریم کورٹ میں ہوتا ہے کیونکہ ہر قاضی کے فیصلے ہائی کورٹ کے درجہ کے ہوتے ہیں۔ نیز اسلام میں قیدیوں کے ساتھ کسی قسم کی بدسلوکی اور بدزبانی کی اجازت نہیں۔

انتباہ

آخر میں عرض ہے کہ ایسے مسائل جو قرآن، حدیث، فقہ میں طے شدہ ہیں انہیں شوریٰ یا اسمبلی میں پاس کرانا عوام کے لیے اُن پر بحث کے دروازے کھولنا گناہِ عظیم ہے اس میں دوسری خرابی یہ بھی ہے کہ قانونِ اسلامی کے نفاذ میں بلاوجہ تاخیر ہوتی ہے اور یہ بھی گناہ کبیرہ ہے۔

حامد میاں غفرلہٗ

۲۷ فروری ۱۹۸۳ء

(جاری ہے)

(آخری قسط)

تحقیق مسئلہ ایصالِ ثواب

حضرت مولانا محمد منظور نعمانی مدظلہ العالی، لکھنؤ، بھارت

آیاتِ قرآنی سے مغالطہ

آخر میں ہم ان آیات کے متعلق کچھ عرض کرنا چاہتے ہیں جن کو پڑھ پڑھ کر یہ حضرات منکرین دوسروں کو مغالطہ دیا کرتے ہیں یا وہ خود ہی اُن کے بارہ میں مغالطے میں ہیں۔

اس سلسلہ میں سب سے پہلی آیت جس کو یہ حضرات اپنی خوش فہمی سے نظریہ "ایصالِ ثواب" کے خلاف گویا نص قطعی سمجھتے ہیں سورۂ والنجم کی یہ مشہور آیت ہے۔ لَيْسَ لِلْإِنْسَانِ إِلَّا مَا سَعَىٰ

"انسان کے لیے بس وہی ہے جو اُس نے سعی کی اور کمایا"

"لیکن اگر سلامت فہم کے ساتھ معمولی غور و فکر سے کام لیا جائے تو یہ غلط فہمی دُور ہو سکتی ہے یہاں غور کرنے کی بات یہ ہے کہ اس آیت میں "انسان" پر جو "ل" ہے یہ آیا ملکیت کے لیے ہے یا انتفاع کے لیے؟ پہلی صُورت میں آیت کا مطلب اور مفاد یہ ہوگا کہ "انسان صرف اپنی ہی سعی و محنت اور اپنی ہی کمائی کا مالک ہے۔ دوسروں کی محنت اور کمائی کا وہ مالک نہیں اور اس میں کسی کو اختلاف نہیں بلکہ نظریہ "ایصالِ ثواب" کی بُنیاد ہی اس پر ہے کہ انسان چونکہ اپنی سعی و عمل کا مالک و مختار ہے اس لیے اس کو حق ہے کہ وہ اپنی چیز دوسرے کو ہدیہ کر دے۔ بہرحال اس آیت میں "ل" اگر ملکیت کا مانا جائے تو مسئلہ ایصالِ ثواب کے لیے یہ آیت مخالف تو کیا ہوتی کچھ مؤید اور موافق ہی ہوگی اور اہلِ علم کو معلوم ہے کہ "ل" کا استعمال زیادہ تر ملکیت ہی کے لیے ہوتا ہے اور قرآنِ مجید میں اس کا بیشتر استعمال اسی معنی میں ہُوا ہے۔

اور اگر دوسری صُورت اختیار کی جائے یعنی "ل" کو انتفاع کے لیے لیا جائے تو آیت کا مطلب اور مفاد یہ ہوگا کہ،

"انسان کو اپنی ہی سعی و محنت سے نفع ہوتا ہے اور اُس کی اپنی ہی کمائی اس کے کام آتی ہے"۔
پھر اس صورت یہ ماننا پڑے گا کہ یہ حصر محض اضافی اور عرفی ہے۔ منطقی قسم کا حصر کلی نہیں ہے اور آیت کا مطلب یہ نہیں ہے کہ انسان کو اپنے ذاتی عمل کے سوا کسی دوسری چیز سے مطلقاً کوئی نفع ہو ہی نہیں سکتا، کیونکہ یہ بات از روئے قرآن اور از روئے مشاہدہ دُنیا کے لحاظ سے بھی غلط ہے اور آخرت کے لحاظ سے بھی، ہم دیکھتے ہیں کہ ایک شخص محنت کر کے کماتا ہے اور بہت سوں کو کھلاتا ہے۔ صدقہ و خیرات کرتا ہے۔ ہدیے دیتا ہے۔ خود قرآن مجید بھی کمائی کرنے والوں اور دولت پیدا کرنے والوں کو جا بجا حکم دیتا ہے کہ وہ اس سے دوسرے حاجت مندوں اور فقراء و مساکین کو نفع پہنچائیں۔ علیٰ ہذا قرآن بتلاتا ہے کہ ایک شخص مرجائے تو اُس کے کمائے ہوئے مال و دولت میں سے اتنا ماں کو، اتنا باپ کو اتنا اتنا بیٹوں اور بیٹیوں کو ملے گا۔ اہلِ علم جانتے ہیں کہ احکامِ قرآنی سے اور بھی اُس کی دسیوں بیسیوں نظیریں نکالی جا سکتی ہیں کہ اس دُنیا میں ایک کی سعی و محنت سے دوسرے کو فائدہ پہنچتا ہے۔ علیٰ ہذا آخرت کے متعلق بھی قرآن پاک سے معلوم ہوتا ہے کہ اپنے نیک اعمال کے علاوہ اللہ پاک کی خاص رحمت اور اس کے فضل و کرم سے بھی بہت سوں کو بہت کچھ ملے گا نیز بہ اذن خداوندی شفاعت کا نافع ہونا بھی قرآن مجید ہی سے ثابت ہے، علیٰ ہذا انبیاء و صالحین اور ملائکہ مقربین کا اہلِ ایمان کے لیے مغفرت و رحمت کی دُعائیں کرنا بلکہ خود اللہ پاک کا اس دُعا و استغفار کے لیے حکم دینا بھی قرآن پاک ہی سے ثابت ہے اور ظاہر ہے کہ یہ دُعائیں لغو اور بے کار نہ جائیں گی۔ بلکہ اللہ پاک کے یہاں قبول ہو کر اُن اہلِ ایمان کی مغفرت و رحمت اور رفعتِ درجات کا ذریعہ بنیں گی اور یہ حقیقت ناقابلِ انکار ہے کہ اللہ پاک کا یہ رحم و کرم فرمانا اور اعمال کی نپی تُلی جزا کے علاوہ محض اپنے فضل سے کچھ اور انعامات سے نوازنا بندہ کی اپنی سعی اور اپنی کمائی نہیں ہے بلکہ اللہ پاک کا فعل ہے اسی طرح آخرت میں مقربین کی شفاعت اور اس دُنیا میں زندوں کا دُعا و استغفار کرنا یہ بھی دوسروں ہی کا فعل ہے اور اُن سب سے نفع پہنچنا نصوصِ قرآن سے ثابت۔ پس یہ کلیہ کہ کسی انسان کو اپنی سعی و محنت کے علاوہ کسی دوسری چیز سے کوئی نفع نہیں پہنچتا دُنیا کے لحاظ سے بھی اور آخرت کے حق میں بھی از روئے قرآن غلط ثابت ہوا۔
لہٰذا "ل" کو اگر انتفاع کے لیے مانا جائے تو لامحالہ ماننا پڑے گا کہ آیت میں جو حصر کیا گیا ہے

یہ منطقی قسم کا حصر کلی نہیں ہے، بلکہ یہ حصر اضافی اور عرفی ہے۔ یعنی آیت کا مقصد انسان کی اپنی سعی کے علاوہ جمیع ماسوٰی کی نافعیت کی نفی کرنا نہیں ہے بلکہ خاص طور سے اُن چند غلط فہمیوں کو دفع کرنا مقصود ہے جن میں بہت سی قومیں اور بہت سے گروہ اُس وقت مُبتلا تھے اور اَب تک مُبتلا ہیں۔ مثلاً بنو اسرائیل سمجھتے تھے کہ ہم چونکہ نبیوں کی اولاد ہیں اس لیے ہم جنّت میں جائیں گے یا مثلاً مشرکینِ عرب کا خیال تھا کہ ہمارے دیوتاؤں کا جو اللہ سے خاص تعلق ہے بس یہ ہماری نجات کا ذریعہ ہو جائے گا اور اسی طرح عیسائی سمجھتے تھے کہ یسوع مسیح سُولی پر چڑھ کر ہم سب کی طرف سے کفارہ ادا کر چکے ہیں اس لیے اُن کی یہ قربانی ہماری نجات کے لیے کافی ہے۔ ہندوستان میں بھی برہمن پنڈت آج تک اسی قسم کی توہمات میں مُبتلا ہیں تو "ل" کو انتفاع کے لیے ماننے کی صُورت میں آیت کو حصر عرفی پر محمول کر کے ماننا پڑے گا کہ آیت کا منشاء بس اس قسم کے توہمات اور بے اصل خیالات کی نفی کرنا ہے اور مطلب صرف یہ ہے کہ آدمی اس قسم کی غلط فہمیوں اور جھوٹی اُمیّدوں میں مُبتلا نہ رہے کہ میرے باپ دادا یا میرے بزرگ اور پیشوا چونکہ نیک اور خُدا کے مقرب بندے تھے اس لیے اُن کے تعلّق اور اُن کی برکت کی وجہ سے مَیں بھی بخشا جاؤں گا اور اُن کے نیک اعمال مجھے بھی جنّت میں لے جائیں گے جس طرح کہ رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم نے اپنی صاحبزادی سیّدہ فاطمہ زہراؓ اور اپنے دوسرے اقارب سے فرمایا تھا کہ "عمل کرو! عمل! اس گھمنڈ میں نہ رہو کہ میرا خُونی رشتہ اور میرا قرابتی و خاندانی تعلّق تمہیں نجات دلا لے گا۔"

الغرض حصر عرفی کی اس تقدیر پر آیت کا مدعا صرف مذکورہ بالا قسم کی گمراہانہ اور بے اصل اوہام کی تردید کرنا ہی ہوگا۔ لہٰذا اللہ تعالیٰ کی کریمانہ رحمت و مغفرت مقربین کی شفاعت، انبیاء ملائکہ اور مومنین کی دُعاء و استغفار اور علیٰ ہذا ایصال ثواب کی صحیح صُورتوں کی نافعیت سے اثباتاً یا نفیاً اس آیت کا کوئی تعلّق نہ ہوگا۔

اور اس طرح کا حصر اضافی و عرفی ہر زبان کے محاورات کلام میں اور خصوصاً قرآن مجید میں بکثرت مستعمل ہے۔ بلکہ یقین کے ساتھ کہا جا سکتا ہے کہ حصر زیادہ تر اضافی و عرفی ہی استعمال ہوتا ہے۔ ہم صُبح سے شام تک بارہا بولتے ہیں "مَیں اس کے سوا کچھ نہیں جانتا"، "مَیں اس کے سوا کچھ نہیں کہتا"، "مَیں اس کے سوا کچھ نہیں چاہتا"، "میرے پاس اس چیز کے سوا کچھ نہیں ہے"، "میرے

پاس سوائے فلاں شخص کے کوئی نہیں آیا"۔ اس قسم کی صدہا مثالیں ہیں جو ہماری زبانوں پر روزمرہ آتی رہتی ہیں اور مراد حصر عرفی ہی ہوتا ہے اور اگر کوئی بد ذوق شخص گفتگو کے وقت اس قسم کے جملوں سے حصر منطقی مراد لے کر بحث کرنے لگے تو اُس کو جاہل اور ناقابلِ خطاب سمجھا جائے گا۔

خود قرآن مجید میں بھی تلاش کرنے سے اُس کی سینکڑوں مثالیں مل سکتی ہیں۔ اُن میں سے چند یہاں بھی ملاحظہ ہوں:

۱۔ مَا عَلَى الرَّسُوْلِ اِلَّا الْبَلَاغُ الْمُبِيْنُ (سورۂ نور ع ۷)

"رسول کے ذمّہ سوائے صاف صاف اور کھلی کھلی تبلیغ کے اور کچھ نہیں"۔

ظاہر ہے کہ اگر اس حصر کو منطقیوں کا سا اصطلاحی حصر کلی مانا جائے تو مطلب یہ ہوگا کہ رسول کے ذمّہ سوائے تبلیغ کے اور کوئی کام نہیں ہے۔ حالانکہ اُن کے ذمّہ نماز روزہ حج قربانی وغیرہ سارے ہی دوسرے فرائض بھی ہوتے ہیں۔ اس لیے سب کے نزدیک اس میں حصر اضافی ہی ہے اور مطلب یہ ہے کہ کسی کو مومن و صالح بنا دینا رسول کے ذمّہ نہیں بلکہ بس پیغامِ ہدایت پہنچا دینا اُن کا کام ہے۔ (واضح رہے کہ اس مضمون کی قریباً دس بارہ آیتیں قرآن مجید میں ہیں)

۲۔ اِنَّمَا يُوْحٰٓى اِلَيَّ اَنَّمَآ اِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ (سورۂ انبیاء ع آخر)

"میری طرف تو بس یہ ہی وحی کی جاتی ہے کہ تمہارا معبود، بس ایک ہی معبود برحق ہے"۔

اس آیت میں بھی اگر منطقی قسم کا حصر کلی مانا جائے تو مطلب یہ ہوگا کہ حکم توحید کے سوا اور کسی امر کی بھی وحی رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم پر نہیں ہوتی تھی حالانکہ یہ غلط ہے اور ایسا غلط کہ اس پر عقیدہ رکھنا کفر۔ اس لیے یہ حصر بھی سب کے نزدیک اضافی اور عرفی ہی ہے، یعنی الٰہیات کے بارہ میں مشرکین کے جو مزعومات تھے بس ان کی ہی نفی مقصود ہے (یہ مضمون بھی قریب قریب ان ہی الفاظ میں قرآنِ پاک میں بہت سی جگہ ادا کیا گیا ہے۔)

۳۔ قُلْ لَّآ اَجِدُ فِيْ مَآ اُوْحِيَ اِلَيَّ مُحَرَّمًا عَلٰى طَاعِمٍ يَّطْعَمُهٗٓ اِلَّآ اَنْ يَّكُوْنَ مَيْتَةً اَوْ دَمًا مَّسْفُوْحًا اَوْ لَحْمَ خِنْزِيْرٍ فَاِنَّهٗ رِجْسٌ اَوْ فِسْقًا اُهِلَّ لِغَيْرِ اللّٰهِ بِهٖ۔ (انعام ع ۱۸)

"اے رسول! آپ کہہ دیجیے کہ میرے پاس جو وحی بھیجی گئی ہے میں اُس میں کوئی حرام غذا نہیں پاتا کسی کھانے والے کے لیے سوائے اس کے کہ وہ مردار جانور ہو یا بہتا ہوا خون ہو یا خنزیر کا

گوشت ہو کیونکہ وہ بالکل ناپاک ہے یا وہ جانور جو خدا کی نافرمانی میں غیر اللہ کے لیے نامزد کیا گیا ہو۔"

اس آیت میں اگر حصر کلی مانا جائے تو مطلب یہ ہوگا کہ شریعتِ اسلامیہ میں بجز ان چار چیزوں کے اور سب چیزوں کا کھانا جائز ہے۔ گویا بلّی، کتّے مسارے درندے پرندے، حشرات الارض وغیرہ وغیرہ میں سے کسی کا کھانا بھی حرام نہیں۔ حالانکہ یہ بالبداہت باطل ہے اور سب کے نزدیک یہاں بھی حصر اضافی ہی ہے اور صرف ان چیزوں کی حرمت کی نفی مقصود ہے جن کو مشرکینِ عرب نے اپنی توہم پرستی سے حرام مان رکھا تھا۔ (یہ مضمون بھی قرآنِ پاک میں متعدّد جگہ وارد ہوا ہے۔)

۴۔ اَوَلَمْ یَتَفَکَّرُوْا مَا بِصَاحِبِهِمْ مِّنْ جِنَّةٍ اِنْ هُوَ اِلَّا نَذِیْرٌ مُّبِیْنٌ۔ (اعراف ع ۲۳)

"کیا ان لوگوں نے اس پر غور نہیں کیا کہ اُن کے پاس بھیجے ہوئے رسول کو ذرا بھی جنون نہیں وہ تو سوا اس کے کچھ نہیں کہ صاف صاف ڈرنے والے ہیں۔"

اس آیت کے آخری جزو میں بھی اگر حصر کلی مراد لیا جائے تو مطلب یہ ہوگا کہ رسول صرف نذیر (ڈرانے والے) ہیں اور اس ڈرانے کے سوا اُن کا کوئی کام اور کوئی وصف نہیں ہے حالانکہ قرآن ہی اُن کے اور بہت سے کام اور بہت سے اوصاف بیان کرتا ہے۔ مثلاً یہ کہ وہ بشیر ہیں، شاہد ہیں، خاتم النبیین ہیں، رحمۃ للعٰلمین ہیں، مزمّل ہیں مدّثر ہیں۔ مومنین کے ساتھ رؤف ہیں رحیم ہیں وغیرہ وغیرہ۔ پس یہاں بھی حصر اضافی ہی ہے۔ یعنی کفّار و مشرکین کو حضور صلّی اللہ علیہ وسلّم کے متعلق جو غلط فہمیاں تھیں اور حضورؐ پر جو بہتان وہ لگاتے تھے پس اُن کی نفی مقصود ہے نہ کہ "انذار" کے علاوہ تمام دوسری واقعی صفات کی (یہ مضمون بھی قرآن پاک میں قریباً ایسے ہی لفظوں میں دسیوں بیسیوں جگہ مذکور ہوا ہے۔)

"مشتے نمونہ از خروارے" صرف ان ہی چند آیتوں کی طرف یہاں اشارہ کر دینے پر اکتفا کیا جاتا ہے ورنہ حصر اضافی و عرفی کی اور بھی ایسی صدہا مثالیں محض قرآن کریم ہی سے پیش کی جا سکتی ہیں۔

حصر کی مخصوص تعبیرات کے علاوہ "خالص نفی" کی بھی ایسی بہت سی مثالیں قرآن میں مل سکتی ہیں کہ بظاہر ایک چیز کی مطلقاً نفی کی جا رہی ہے، لیکن مقصود اس کے کسی خاص پہلو اور کسی خاص

نوع کی نفی کرنا ہوتا ہے۔ مثلاً قرآنِ پاک میں متعدد جگہ قیامت کے دن کے متعلق فرمایا گیا ہے۔

لَا بَيْعٌ فِيهِ وَلَا خُلَّةٌ وَلَا شَفَاعَةٌ

"نہ اُس دن میں کوئی خرید و فروخت ہوگی نہ کوئی دوستی ہوگی اور نہ کوئی شفاعت"

حالانکہ ایمانی دوستی اور للّٰہی محبّت کا قیامت کے دن کار آمد ہونا اور علیٰ ہذا بہ اذن خداوندی اہلِ ایمان کے لیے شفاعت کا ہونا خود قرآن مجید سے ثابت اور مسلّماتِ دین میں ہے اس لیے سب کے نزدیک ان آیات میں اسی دوستی اور اسی شفاعت کی نفی کی گئی ہے جو اللہ پاک کے مقرّرہ قانون اور اُس کی مرضی کے خلاف ہو۔

پس انہی آیات کی طرح "لَيْسَ لِلْإِنْسَانِ إِلَّا مَا سَعَىٰ" اور اُس جیسی دوسری آیات کے متعلق بھی سمجھنا چاہیے کہ ان میں حصر اور نفی کلی نہیں ہے اور ان کا مطلب اور مفاد یہ نہیں ہے کہ انسان کی اپنی سعی و محنت کے علاوہ کوئی دوسری چیز مطلقاً اس کے کام ہی نہیں آسکتی عرض کیا جاچکا اور بہ دلائل ثابت کیا جاچکا کہ یہ مطلب خود نصوص قرآنی کے خلاف ہے (اللہ کی رحمت کا کام آنا۔ شافعین کی شفاعت کا نافع ہونا، پس ماندگان کے دُعا و استغفار سے مردوں کو فائدہ پہنچنا خود قرآن سے ثابت کیا جاچکا ہے) لہٰذا ماننا پڑے گا کہ یہ حصر کلی نہیں ہے بلکہ آیات مندرجۂ بالا کی طرح یہاں بھی حصر اضافی اور عرفی ہی ہے اور مطلب بس یہ ہے کہ اپنے نسبی بزرگوں یا پیروں، پیشواؤں کی نیک عملی کے فائدہ مند اور ذریعہ نجات ہونے کے بارے میں مختلف قوموں اور گروہوں کے جو گمراہانہ خیالات اور بے بنیاد جھوٹی اُمیدیں ہیں وہ سب غلط ہیں، ایک کی کمائی دوسرے کے کام نہیں آئے گی بلکہ اپنی ہی سعی و محنت ہر ایک کے کام آئے گی۔

الغرض مذکورہ بالا وجوہ سے ماننا پڑے گا کہ (اگر "ل" اس آیت میں انتفاع کے لیے ہے تو) اس سے صرف ان غلط توہّمات کی تردید مقصود ہے جن میں لوگ مُبتلا تھے اور ظاہر ہے کہ اس صُورت میں بھی اس آیت کا "مسئلہ ایصالِ ثواب" سے نفیاً یا اثباتاً کوئی تعلق نہیں رہتا۔

○

یہاں تک جو کچھ بحث کی گئی ہے اگرچہ اس کا تعلق سورۂ والنجم کی آیت "لَيْسَ لِلْإِنْسَانِ إِلَّا مَا سَعَىٰ" سے ہی تھا، لیکن اسی سے اُن تمام دیگر آیات کا مطلب بھی واضح ہوجاتا ہے جو منکرین

ایصالِ ثواب کی طرف سے اس کے علاوہ پیش کی جاتی ہیں۔ مثلاً:

"لَهَا مَا كَسَبَتْ وَ عَلَيْهَا مَا اكْتَسَبَتْ"

"ہر نفس کے لیے وہی ہے جو اُس نے کمایا ہے اور اُس پر انہی گناہوں کا وبال ہے جو اُس نے کیے"۔

اَلْيَوْمَ تُجْزٰى كُلُّ نَفْسٍ بِّمَا كَسَبَتْ وَهُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ

"بروز قیامت کے ہر نفس کو اُس کے کیے کا بدلہ دیا جائے گا اور اُن پر کوئی ظلم نہ ہوگا"۔

هَلْ تُجْزَوْنَ اِلَّا مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ

"تم کو صرف تمہارے اعمال ہی کا بدلہ دیا جائے گا"۔

مَنْ عَمِلَ صَالِحًا فَلِنَفْسِهٖ وَمَنْ اَسَآءَ فَعَلَيْهَا

"جو کوئی نیک عمل کرے گا تو وہ اپنے لیے کرے گا اور جو بُرائی کرے گا تو اسی پر اس کا وبال ہوگا"۔

تو یہ اور ان جیسی اور بھی جو آیات ہیں اُن کے ذریعے اللہ تعالیٰ کے اس قانون عدل کا اظہار مقصود ہے کہ آدمی اپنے ہی اعمال کے ثواب و عذاب کا حق دار اور ذمّہ دار ہے کسی کے نسبی رشتہ یا روحانی تعلّق کی بُنیاد پر دوسروں کی نیک عملی سے وہ اپنی نجات کی اُمیدیں نہ باندھے اور نہ یہ اُمّید رکھے کہ میرے گناہوں کی سزا کسی اور پر ڈال دی جائے گی۔ علیٰ ہذا یہ بھی نہ سمجھے کہ بیگناہ کیے یا گناہ کے حساب سے زیادہ کسی کو سزا دی جائے گی۔

بہرحال ان آیات میں بھی جہاں جہاں حصر کیا گیا ہے وہ بھی حصر اضافی اور عرفی ہی ہے اور اُن کا کوئی تعلّق نفیاً یا اثباتاً مسئلہ زیرِ بحث سے نہیں ہے۔ علیٰ ہذا سورۂ "طُور" کی آیت كُلُّ امْرِئٍۢ بِمَا كَسَبَ رَهِيْنٌ اور سورۂ مدثر کی آیت كُلُّ نَفْسٍۢ بِمَا كَسَبَتْ رَهِيْنَةٌ کا مقصد بھی اللہ پاک کے اسی قانونِ عدل کو واضح کر کے سلسلہ جزا و سزا کے متعلّق انہی گمراہانہ خیالات کی تردید کرنا ہے جن میں لوگ عام طور سے مُبتلا تھے۔ بہرحال ان آیات سے بھی یہ نتیجہ نکالنا کہ آدمی کو اپنے کسب و عمل اور اپنی ذاتی سعی و محنت کے سوا کسی اور چیز سے مطلقاً فائدہ نہیں پہنچ سکتا" اپنی ہی خوش فہمی ہے اور اس سلب کلی کے خلاف خود نصوص قرآن اور دیگر اَدِلّۂ شرعیہ ناطق ہیں۔

اس موقع پر شیخ الاسلام امام ابن تیمیہؒ کی ایک عبارت کا نقل کرنا مناسب معلوم ہوتا ہے۔ اس عبارت کو "بذل المجہود شرح سنن ابی داؤد میں باب "ماجاء فی الصدقۃ عن المیت" کے ذیل میں نقل کیا ہے۔

من اعتقد ان الانسان لا ینتفع الا بعملہ فقد خرق الاجماع فان الانسان قد اجمعوا علی ان الانسان ینتفع بدعاء غیرہ وھو انتفاع بعمل الغیر وایضاً انہ علیہ الصلوٰۃ والسلام یشفع لاھل الموقف فی الحساب ثم لاھل الجنۃ فی دخولھا ثم لاھل الکبائر فی الاخراج من النار وھو انتفاع بسعی الغیر وکذا کل نبی وصالح لہ شفاعۃ وذالک انتفاع بعمل الغیر وایضاً الملئکۃ یدعون ویستغفرون لمن فی الارض وذالک منفعۃ بعمل الغیر وایضاً عند تعالیٰ یخرج طائفۃ من النار ممن لم یعمل خیراً قط بمحض رحمتہ وھذا انتفاع من غیر سعیھم وایضاً اولاد المومنین یدخلون الجنۃ بعمل اٰبائھم وذالک انتفاع بمحض عمل الغیر وکذالک المیت

جس کا یہ عقیدہ ہو کہ انسان کو اپنے ذاتی عمل کے سوا اور کسی چیز سے کوئی نفع نہ ہوگا وہ اُمّت کے اجماع کے مخالف ہے کیونکہ ساری اُمّت کا ان چند اُصولوں پر اتّفاق ہے انسان کو دوسروں کی دُعا سے فائدہ ہوتا ہے اور ظاہر ہے کہ یہ غیر ہی کے عمل سے انتفاع کی صورت ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حساب چکانے کے لیے تمام اہل محشر کی سفارش فرمائیں گے۔ نیز مستحقین جنت کے حق میں داخلہ جنت کی اور بہت سے بڑے گناہگاروں کیلئے دوزخ سے نکالنے کی بھی شفاعت فرمائیں گے اور ظاہر ہے کہ لوگوں کا آنحضرتؐ کی اس شفاعت سے بہرہ اندوز ہونا دوسرے ہی کی سعی سے نفع کی صورت ہے۔ علیٰ ہذا مختلف لوگوں کے لیے دیگر انبیاء وصالحین کا شفاعت کرنا بھی ایک مسلمہ مسئلہ ہے اسی طرح اس دُنیا کے مسلمانوں کے لیے ملائکہ کا دُعا و استغفار کرنا اور اس سے لوگوں کو فائدہ پہنچنا (جو ثابت شدہ امر ہے) انتفاع بعمل الغیر ہی کی ایک جزئی ہے۔ نیز (احادیث کثیرہ کی بُنیاد پر) یہ بھی مسلم ہے کہ اللہ تعالیٰ محض اپنی رحمت سے کچھ ایسے لوگوں کو بھی دوزخ سے نکالے گا جن کے پاس (بجز ادنیٰ درجہ ایمان کے) کوئی نیک عمل نہ ہوگا اور بلا شُبہہ یہ بھی اپنی ذاتی سعی وعمل کے سوا سے ہی انتفاع کی صورت ہے ایسے ہی یہ بھی مسلمات میں سے ہے کہ اہل ایمان کے بچّے بھی اپنے والدین کے نیک اعمال کی وجہ سے ان کے ساتھ جنّت میں جائیں

ینتفع بالصدقة منه وبالعتق عنه بنص السنة والاجماع وهو من عمل غیرہ وانه یسقط الحج المفروض عن المیت بحج ولیه عنه بنص السنة وکذا تبرئ ذمة الانسان من دیون الخلق اذا قضاها عنه قاض وذالك انتفاع بعمل الغیر وکذالك الصلوٰة والدعاء له فیها ینتفع بها المیت وهی من عمل الغیر ونظائر ذالك کثیرة لا تحصٰی۔"

گے اور یہ بھی غیر ہی کے عمل سے انتفاع ہُوا۔ اسی طرح اگر میت کی طرف سے صدقہ خیرات کیا جائے یا غلام آزاد کیا جائے تو اُس کا نافع ہونا بھی سُنّتِ صریحہ ثابتہ اور اجماع سے ثابت ہے۔ نیز میّت کی طرف سے اگر اس کا ولی حج کر دے تو میّت کی جانب سے حج کا ادا ہو جانا بھی سُنّتِ صریحہ سے معلوم ہُوا ہے۔ ایسے ہی کسی آدمی پر قرض ہو اور اُس کی طرف سے کوئی دوسرا ادا کر دے تو مدیون کی طرف سے ادا ہو جانا اور اس کا بری ہو جانا بھی شریعت اسلامیہ میں ایک ثابت شُدہ مسئلہ اور اُمّت کا مسلّمہ ہے اور یہ بھی دوسروں ہی کے سعی وعمل سے انتفاع ہُوا۔ پھر اس سب کے علاوہ مُردوں پر نماز جنازہ پڑھنا اور اُس میں اُن کے لیے مغفرت ورحمت کی دُعا کرنا اور اُن کے حق میں اُس کا نافع ہونا ایک مسلمہ امر ہے اور ظاہر ہے کہ یہ بھی دوسروں ہی کے عمل سے انتفاع کی صُورت ہے اور ان کے علاوہ بھی اس کی بہت سی نظیریں ہیں جن کو شمار بھی نہیں کیا جا سکتا۔"

شیخ الاسلام امام ابن تیمیہؒ کی اس عبارت سے ناظرین کو معلوم ہو گیا ہو گا کہ منکرینِ ایصالِ ثواب کا یہ اِدّعا کہ "انسان کو اپنے ذاتی سعی وعمل کے سوا کسی اور چیز سے مطلقاً کوئی فائدہ نہیں پہنچ سکتا۔" دین کے کتنے مسلّمہ مسائل کے خلاف ہے جن میں سے بعض نصوص قرآن سے اور بعض سُنّت واجماع سے ثابت ہیں پھر اپنی اس خوش فہمی کو قرآنِ مجید کے سر منڈھنا اُن کی کتنی خطرناک جسارت ہے۔

درحقیقت جن آیات کی طرف وہ اس مضمون کو منسوب کرتے ہیں اُن کا صحیح مطلب اور مفاد وہی ہے جو اُوپر عرض کیا گیا۔ جس کے بعد اَدِلّہ شرعیہ میں کوئی تضاد اور تدافع نہیں رہتا۔

واضح رہے کہ یہ آیات جن سے منکرین ایصالِ ثواب استناد کرتے ہیں اُن کے متعلق جو کچھ اُوپر عرض کیا گیا ہے۔ اس کے علاوہ بھی بہت کچھ کہا جا سکتا ہے۔ (بلکہ اُن میں سے بعض تو

بشہادتِ سیاق وسباق صرف عذاب وسزا ہی کے پہلو سے ہے) لیکن بخوفِ طوالت یہاں ہم نے اس قسم کی تمام تفصیلات سے صرف نظر کر کے اتنی ہی جوابی بحث کو کافی سمجھا ہے۔

ایک عقلی مغالطہ

آخر میں منکرین کے ایک عقلی مغالطہ کا ذکر کر کے اور اس کا جواب دے کر اس بحث کو ہم ختم کرتے ہیں۔

کہا جاتا ہے کہ خود کوئی نیک عمل کر کے اس کا ثواب دوسرے کو پہنچانا ایسا ہی ناقابلِ فہم اور غیر معقول ہے جیسا کہ خود کھانا کھا کے اللہ سے یہ عرض کرنا کہ جو کھانا میں نے کھایا ہے اس سے فلاں بھوکے کا پیٹ بھر جائے یا سردی کے موسم میں خود گرم کپڑے اوڑھ کے یہ کہنا کہ ان کپڑوں کی گرمی فلاں ننگے شخص تک پہنچ جائے۔

لیکن اگر غور کیا جائے تو معلوم ہو سکتا ہے کہ یہ نہایت ہی عامیانہ سفسطہ ہے۔ اگر اس مادّی عالم میں اس کی مثال تلاش کرنی ہے تو سیدھی مثال یہ ہے کہ ایک شخص صبح سے شام تک خود محنت کرتا ہے اور جو مزدوری اس کو حاصل ہوتی ہے وہ بجائے اپنے اوپر ہی خرچ کرنے کے کسی اور کو دے دیتا ہے یا اپنی آمدنی سے کسی دوسرے بے چارہ کا قرضہ ادا کر دیتا ہے یا خود محنت کر کے کھانا تیار کرتا ہے اور کسی دوسرے صاحبِ حاجت کو کھلا دیتا ہے۔ فرمائیے اس میں کیا عقلی اشکال ہے؟ بلکہ احادیث میں اسی قسم کی مثالوں سے اس مسئلہ کو سمجھایا گیا ہے۔

اور اگر ان حضرات کو اس پر اصرار ہو کہ نہیں، نیک اعمال اور جزائے اُخروی کی مثال بس کھانا کھانے اور اس سے لذّت اندوز ہونے اور شکم سیر ہو جانے کی سی ہی ہے۔ تو پھر مسئلہ ایصالِ ثواب کے علاوہ میّت کے لیے مغفرت ورحمت کی دُعا کا بھی ان حضرات کو انکار کرنا پڑے گا۔ بلکہ اُس کو بھی غیر معقول اور غلط ماننا ہوگا۔ کیونکہ اس نظریہ کی بُنیاد پر کسی میّت کے لیے دُعاء مغفرت اور استدعاء رحمت کی مثال یہ ہوگی کہ کسی بھوکے کو کھانا تو دیا نہ جائے اور خُدا سے بس یہ دُعا کی جائے کہ بغیر کھانے کے تو اس کا پیٹ بھر دے اور جاڑے کے زور سے کپکپاتے ہوئے کسی غریب آدمی کے لیے خُدا سے عرض کیا جائے کہ بغیر کپڑے کے تُو سردی سے اس کی حفاظت فرما۔ اور گرمائی پہنچا دے۔ پس ظاہر ہے کہ جس طرح خود کھانا کھا کر اور خود گرم کپڑے پہن کر اللہ سے یہ عرض کرنا غیر معقول ہے کہ اس کھانے اور کپڑے کا اثر فلاں بھوکے یا ننگے کو پہنچ جاوے، اسی طرح اس اُصول پر یہ بھی غیر معقول

ہے کہ اللہ سے یہ التجا کی جائے کہ فلاں بھوکے اور ننگے کا بغیر کھانے کے پیٹ بھر جائے اور بغیر کپڑوں کے وہ سردی کی تکلیف سے بچ جائے کیونکہ آپ حضرات کے نزدیک اس تمثیل میں "عمل" کا مقام وہی ہے جو اس عالم میں کھانے کپڑے کا ہے اور آخرت کا ثواب آپ حضرات کے نزدیک لذتِ طعام، شکم سیری اور کپڑوں سے حاصل ہونے والی راحت کی طرح ہے۔

یہ جواب تو ان ہی حضرات کے اُصول اور انہی کے طرز پر دیا گیا ہے، لیکن اصل بات یہ ہے کہ ان تفصیلات میں عالمِ آخرت کو اس مادی عالم پر قیاس کرنا اور اس کو شرعی فیصلوں کی بُنیاد بنانا سرے ہی سے غلط اُصول ہے۔ ہاں شرعی دلائل سے کسی مسئلہ کا فیصلہ ہو جانے کے بعد اگر اس قسم کے قیاسی لطائف سے بھی اس کی مزید تائید دکھائی جائے تو مضائقہ نہیں اور ہم عرض کر چکے کہ اس مادّی عالم میں ایک شخص کا اپنی محنت اور اپنی کمائی سے دوسروں کی مدد کرنا "ایصالِ ثواب" کی واضح نظیر ہے۔ بلکہ اَب تو آنکھیں یہ بھی دیکھ رہی ہیں کہ ایک شخص اپنی پیدا کردہ دولت سے اچھی غذائیں کھاتا اُس سے عمدہ خُون پیدا ہوتا ہے۔ پھر اُس کے کسی بیمار اور ضعیف محسن یا دوست یا عزیز کو ڈاکٹر کا مشورہ ہوتا ہے کہ کسی طاقتور آدمی کا خُون تمہارے جسم میں داخل کیے جانے کی ضرورت ہے یہ تندرست شخص اپنے کو پیش کر دیتا ہے اور ڈاکٹر اس کی کسی رگ میں سے بہترین خون لے کر اُس کے اِس بیمار محسن یا دوست یا عزیز کی رگوں میں پہنچا دیتا ہے اور اس سے اس میں توانائی آجاتی ہے، تو اگر ایصالِ ثواب کے لیے اس مادّی عالم ہی میں مثال تلاش کرنی ہے تو یہ بھی اس کی ایک اچھی مثال ہو سکتی ہے لیکن واضح رہے کہ بس سمجھنے کے لیے یہ ایک مثال ہی ہو گی نہ کہ مسئلہ کی دلیل اور بُنیاد۔

زندوں کی جانب سے اموات کی نفع رسانی اور "ایصالِ ثواب" کے متعلق اس مقالہ میں جو کچھ لکھنے کا ارادہ کیا تھا۔ وہ سب بحمداللہ لکھا جا چکا۔ شروع میں بھی عرض کیا گیا تھا اور اَب آخر میں بھی اس کا اعادہ ضروری معلوم ہوتا ہے کہ اس کاوش کا مقصد صرف اُصولی مسئلہ ایصالِ ثواب کی حمایت ہے جو جمہور اُمت کا ہمیشہ سے ایک متفقہ نظریہ رہا ہے اور دلائلِ شرعیہ سے جس کے ثبوت میں ہمارے نزدیک کوئی شک و شُبہہ نہیں ہے۔

لیکن اس ایصالِ ثواب کی بُنیاد پر تیجہ، دسواں، بیسواں، چالیسواں، ششماہی، گیارہویں

بارہویں، برسی، عرس، جمعراتی فاتحہ وغیرہ وغیرہ رسوم کی شکل میں جو ایک مستقل "شریعت" اہل ہوائے ہوس نے دوسری قوموں کی دیکھا دیکھی تراش لی ہے اُن کے غلط بلکہ بدعت و معصیّت ہونے میں کوئی شُبہہ نہیں۔ ان خرافات کا دین سے کوئی تعلق نہیں

علیٰ ہذا یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ دین سے ایصالِ ثواب کی ہرگز ہرگز وہ اہمیّت ثابت نہیں جو اس کو آج کل نہیں بلکہ صدیوں سے مسلمانوں نے دے رکھی ہے۔ ہمیشہ کے لیے ہر چیز کا وہی مقام رہنا چاہیے جس میں عہد نبوی اور دورِ صحابہ میں اس کو رکھا گیا تھا۔ اب کیفیّت یہ ہے کہ "ایصالِ ثواب" مسلمانوں کا قریبًا آدھا دین بن کے رہ گیا ہے۔ دین کے سینکڑوں مہمات سے اُنہیں وہ دل چسپی نہیں جو بزرگوں اور عزیزوں قریبوں کے ایصالِ ثواب سے ہے۔ عوام کے علاوہ بہت سے وہ بھی جو خواص سمجھے جاتے ہیں اس بیماری میں مُبتلا ہیں۔ بلکہ میرا تو خیال ہے کہ "ایصالِ ثواب" کے اصول ہی سے انکار کا جو رجحان زمانہ حال کے بہت سے نئے طرز کے پڑھے لکھے مُسلمانوں میں پیدا ہو رہا ہے وہ "ایصالِ ثواب" میں اس افراط اور غلو ہی کا ردِّ عمل ہے۔ اس لیے زیادہ توجّہ کے قابل اور زیادہ اصلاح کا محتاج "ایصال ثواب" میں غلو کرنے والوں ہی کا طرزِ عمل ہے کہ انہی کا افراط اس تفریط کی پیدائش کا سبب بن رہا ہے۔

اللّٰھم اھدنا الصراط المستقیم صراط الذین انعمت علیھم غیر المغضوب علیھم ولا الضّآلین ہ آمین۔

بقیہ: نتیجہ

۵۱۔	نوید احمد	غلام فرید	متوسط ششم	۴۰۰	۳۱۰	۷۷٪
۵۲۔	قاسم اقبال	قسمت اللہ	〃 〃	〃	〃	〃
۵۳۔	محمّد اسمٰعیل	محمّد احمد	〃 〃	〃	〃	〃
۵۴۔	صفدر علی	دلاور خاں	〃 〃	〃	〃	〃
۵۵۔	ذوالقرنین	محمد عمران	〃 〃	〃	〃	〃
۵۶۔	صاحب جان	نعمت خان	〃 〃	〃	〃	〃
۵۷۔	یاسر محمود	اصغر علی	〃 〃	〃	〃	〃
۵۸	خلیل الرحمٰن	عبدالقادر	〃 〃	〃	〃	〃
۵۹	حفیظ الرحمٰن		〃 〃	〃	〃	〃

حضرت مولانا ڈاکٹر عبد الواحد
مدرّس و نائب مفتی و فاضل جامعہ مدنیہ

سوال: زید نے ایک رجسٹرڈ دینی ادارہ میں عرصہ آٹھ سال سے کام کیا جس بنا پر عوام الناس ہر طرح سے مطمئن تھے، مگر مہتمم صاحب نے ذاتی مفاد کی بناء پر ۶ رجب المرجب کو سرپرست اعلیٰ کی طرف سے یہ فیصلہ سُنایا کہ مدرس کے ذمّہ صرف تدریس کا کام ہوگا اور صُبح کی نماز مع درس قرآنِ پاک بھی دیں گے باقی مسجد کے کام کی ذمّہ داری سے مدرس الگ رہیں گے، البتہ صُبح کی نماز مع درس قرآن پاک کے متعلق شوال المکرم کے آخر میں فیصلہ کیا جائے گا ـــــ حسبِ معاہدہ مدرس نے تدریس کا کام مع صبح کی نماز درس قرآن پاک کے شروع کر دیا۔ اَب شوال المکرم کے آخر میں مہتمم صاحب نے سرپرست اعلیٰ سے استعفیٰ (مراد ہے معزولی) لکھوا کر پیش کر دیا۔ جبکہ سرپرست اعلیٰ نے یہ تسلیم کیا آپ کو بلا جُرم اور بلا وجہ نکالا جا رہا ہے۔ مدرس نے سال کی تنخواہ کا مطالبہ کیا تو حق شرعی ہونے کی صُورت میں اُنھوں نے منظور کر لیا تو آپ مدرس کے قواعد کے مطابق اس مسئلہ کی وضاحت فرما دیں کہ عہد خلافی کی صُورت میں مدرس اس سال کی تنخواہ لے سکتا ہے؟

جواب: یہ دیکھا جائے گا کہ اجارہ یعنی ملازمت ماہانہ ہے یا سالانہ اگر اجارہ ماہانہ ہے تو مہینہ ختم ہونے پر اجارہ ختم ہو جاتا ہے اور تجدید نہ کرنے کی صورت میں آگے جاری نہیں رہتا، لہٰذا مزید مُدّت کی تنخواہ کا مستحق نہیں۔

اور اگر اجارہ سالانہ (سنویہ) ہو تو بلا عذر متولی مدرس کی رضامندی کے بغیر اجارہ کو فسخ نہیں کر سکتا۔ ہاں سال گزرنے کے بعد آئندہ کے لیے تجدید نہ کرے تو یہ ہو سکتا ہے۔ بہرحال مدرس جب فسخ اجارہ پر راضی ہو جائے تو جتنی مُدّت کام کیا ہے اتنی مُدّت کے حساب سے تنخواہ

وصول کر سکتا ہے۔ زائد نہیں۔

حاصل یہ ہے کہ زید کے ملازمت چھوڑنے کی صورت میں اُس کو آئندہ زمانے کی تنخواہ نہیں ملے گی۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

سوال: آج کل کچھ پینٹ بنانے والے حضرات اپنے پینٹ کے ہر ڈبے میں کاغذ کا ایک مخصوص ٹکڑا (جسے ٹوکن کہا جاتا ہے) ڈال دیتے ہیں اور اس کا علم بیچنے والے دکاندار کو بھی کر دیا جاتا ہے۔ دکاندار اس کے بارے میں (ٹوکن کے بارے میں) کاریگر پینٹر حضرات کو بتاتے ہیں ہوتا یوں ہے کہ جب گھروں یا اداروں میں پینٹ کروانے کے لیے پینٹر حضرات کو بُلایا جاتا ہے تو وہ بڑے پُرزور طریقے سے اُس کمپنی کے ڈبوں کا نام لیتے ہیں اور اُس کی خوب تشہیر بھی کرتے ہیں۔ اس لیے تاکہ مالک اُسے خریدنے پر تیار ہو جائے۔ اب مالک اُسے خریدنے کے لیے یا تو خود جاتا ہے یا پھر کاریگر کو بھی ساتھ لے جاتا ہے یا صرف پیسے دے کر کاریگر کو ہی بھیج دیتا ہے لہٰذا اس طرح وہ ڈبہ خرید کر کے گھر آجاتا ہے۔ اب ڈبے کو کاریگر ہی نے کھولنا ہے اور وہ اس رنگ میں سے وہ کاغذ کا ٹوکن نکال کر دکاندار کے پاس لے جاتا ہے اور دکاندار اُس ٹوکن کے عوض اُسے مخصوص نمبر کے لحاظ سے ۱۰، ۲۰، ۵۰ روپے ادا کر دیتا ہے اور اس طرح وہ رقم بجائے مالک (جتنے رقم ادا کی ہے) کی بجائے وہ کاریگر خود رکھ لیتا ہے چونکہ مالک کو اس کی خبر نہیں ہو پاتی۔ لہٰذا اُس انعام کی رقم جو کہ مالک کی ملکیت ہے کی بجائے وہ کاریگر حاصل کر لیتا ہے اب اس تمام معاملے کا علم صرف فیکٹری والے حضرات یا دکاندار حضرات یا کاریگر حضرات ہی کو ہے اس لیے اس کا فائدہ کاریگر کو ہی پہنچتا ہے۔ اب سوال یہ ہے کہ چونکہ ہم دکاندار بھی اس میں ملوّث ہیں اور تعاون کر رہے ہیں تو کیا یہ مذکورہ بالا معاملہ دُرست ہے؟ اور ہم دکانداروں کی اس میں پوزیشن کیا ہے؟ کہیں ہم اس کاروبار میں ممد و معاون ہو کر گناہ گار تو نہیں ہو رہے ایسی صورت میں ہمیں کیا کرنا چاہیے براہِ کرم ضرور رہنمائی فرمادیں۔

جواب: یہ پینٹ بنانے والوں کی جانب سے کاریگر کو رشوت دینے کی ایک صورت ہے اور ناجائز ہے۔ دکاندار کو اس سکیم میں شرکت یا معاونت سے اجتناب ضروری ہے پینٹ بنانے والوں کو سمجھائیں اور یا تو ایسا مال اپنی دُکان پر نہ رکھیں یا خریدنے والے کاریگر کو بتادیں کہ اُس کو ٹوکن پر رقم نہیں دی جائے گی۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

مولانا نعیم الدین صاحب، فاضل و مدرس جامعہ مدنیہ

رمضان اور قرآن کی مناسبت سے اس دفعہ ہم ایک اہم واقعہ پیشِ خدمت کر رہے ہیں۔ یہ واقعہ حضرت عبداللہ بن مبارکؒ کے ساتھ پیش آیا تھا جو اپنے دَور کے بڑے عابد، زاہد محدّث و فقیہہ اور حضرت امام ابوحنیفہؒ کے شاگردِ رشید تھے۔ ہُوا یہ کہ آپ سفرِ حج پر جا رہے تھے دورانِ سفر آپ کی ملاقات ایک سن رسیدہ خاتون سے ہُوئی جو قافلے سے بچھڑ کر راستہ بھٹک گئی تھی اور درخت کے ایک تنے کے پاس بیٹھی تھی آپ اس کے پاس سے گزرے خاتون کو پریشان اور مایوس پاکر آپ نے اس سے بات چیت کی، حیرت کی بات یہ ہے کہ وہ خاتون آپ کی ہر بات کا جواب قرآنی آیات سے دیتی تھی اس واقعہ سے جہاں قرآن مجید کی جامعیت و وسعت کا پتہ چلتا ہے اسلاف کی اس سے عقیدت و محبّت کا بھی کچھ اندازہ ہوتا ہے۔ لیجیے وہ بات چیت ملاحظہ فرمائیے:

حضرت عبداللہ بن مبارکؒ: السّلام علیکم و رحمۃ اللہ

خاتون: سَلٰمٌ قَوْلًا مِّنْ رَّبٍّ رَّحِیْمٍ

یعنی سلام نہایت مہربان رَبّ کا قول ہے۔ مراد یہ ہے کہ سلام کا جواب تو خود اللہ تعالیٰ کی جانب سے ہے۔

خاتون: مَنْ یُّضْلِلِ اللّٰہُ فَلَا ھَادِیَ لَہٗ جسے اللہ بھٹکا دے اُسے کوئی راہ پر لانے والا نہیں۔ مراد یہ کہ میں راستہ بھول گئی ہوں۔

حضرت عبداللہ بن مبارک: آپ کہاں سے آ رہی ہیں؟

خاتون: سُبْحَانَ الَّذِیْٓ اَسْرٰی بِعَبْدِہٖ لَیْلًا مِّنَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ اِلَی الْمَسْجِدِ الْاَقْصَا۔

"یعنی پاک ہے وہ (خدا) جو اپنے بندے کو مسجدِ حرام سے مسجد اقصیٰ لے گیا (مراد یہ تھی کہ میں مسجد اقصیٰ سے آرہی ہوں۔)

حضرت عبداللہ بن مبارک: آپ یہاں کب سے ہیں؟

خاتون: ثَلٰثَ لَیَالٍ سَوِیًّا برابر تین رات (سے)

حضرت عبداللہ بن مبارک: تمہارے کھانے کا کیا انتظام ہے؟

خاتون: وَالَّذِیْ هُوَ یُطْعِمُنِیْ وَیَسْقِیْنِ۔ وہ (خدا) مجھے کھلاتا پلاتا ہے (یعنی کہیں نہ کہیں سے رزق مہیا ہو جاتا ہے۔)

حضرت عبداللہ بن مبارک: کیا وضو کا پانی موجود ہے؟

خاتون: فَلَمْ تَجِدُوْا مَآءً فَتَیَمَّمُوْا صَعِیْدًا طَیِّبًا۔

اگر تم پانی نہ پاؤ تو پاک مٹی سے تیمم کرو (مطلب یہ کہ پانی نہیں مل رہا ہے۔ سو تیمم کر لیتی ہوں۔)

حضرت عبداللہ بن مبارک: یہ کھانا حاضر ہے کھا لیجیے۔

خاتون: اَتِمُّوا الصِّیَامَ اِلَی الَّیْلِ۔ روزے رات کے آغاز تک پورے کرو۔ (اشارہ یہ تھا کہ میں روزے سے ہوں۔)

حضرت عبداللہ بن مبارک: یہ رمضان کا مہینہ تو نہیں ہے۔

خاتون: وَمَنْ تَطَوَّعَ خَیْرًا فَاِنَّ اللّٰهَ شَاكِرٌ عَلِیْمٌ۔ اور جو نیکی کے طور پر خوشی سے روزہ رکھے تو بے شک اللہ تعالیٰ شکر گزار اور علیم ہے (یعنی میں نے نفل روزہ رکھا ہے۔)

حضرت عبداللہ بن مبارک: لیکن سفر میں تو روزہ افطار کر لینے کی اجازت ہے؟

خاتون: وَاَنْ تَصُوْمُوْا خَیْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ۔ اور اگر تم روزہ رکھو تو تمہارے لیے بہتر ہے اگر تم جانتے ہو۔

حضرت عبداللہ بن مبارک: آپ میرے جیسے انداز میں بات کریں۔

خاتون: مَا یَلْفِظُ مِنْ قَوْلٍ اِلَّا لَدَیْهِ رَقِیْبٌ عَتِیْدٌ وہ (انسان) کوئی بات نہیں کرتا مگر یہ کہ اُس کے پاس ایک مستعد نگہبان ضرور ہوتا ہے (یعنی چونکہ انسان کے ہر لفظ پر ایک فرشتہ نگہبانی کرتا ہے اور اس کا اندراج ہوتا ہے اس لیے بربنائے احتیاط میں قرآن کے الفاظ میں ہی بات

کرتی ہوں۔)

حضرت عبداللہ بن مبارک: کس قبیلہ سے تعلق رکھتی ہیں؟

خاتون: وَلَا تَقْفُ مَا لَيْسَ لَكَ بِهٖ عِلْمٌ اِنَّ السَّمْعَ وَالْبَصَرَ وَالْفُؤَادَ كُلُّ اُولٰٓئِكَ كَانَ عَنْهُ مَسْئُوْلًا۔ جو بات تمہیں معلوم نہ ہو اُس کے درپے نہ ہو۔ بیشک کان، آنکھ اور دِل اس کی طرف سے جواب دہ ہیں، یعنی جس معاملے کا پہلے سے آپ کو کچھ علم نہیں ہے اور جس سے کچھ واسطہ نہیں ہے اسے پُوچھ کر اپنی قوتوں کو کیوں کرتے ہیں۔

حضرت عبداللہ بن مبارک: مجھے معاف کر دیں۔ مَیں نے واقعی غلطی کی۔

خاتون: لَا تَثْرِيْبَ عَلَيْكُمُ الْيَوْمَ يَغْفِرُ اللّٰهُ لَكُمْ۔ آج تم پر کوئی ملامت نہیں، اور اللہ تمہیں بخش دے۔

حضرت عبداللہ بن مبارک: کیا آپ میری اونٹنی پر بیٹھ کر قافلہ سے جا ملنا پسند کریں گی؟

خاتون: وَمَا تَفْعَلُوْا مِنْ خَيْرٍ يَّعْلَمْهُ اللّٰهُ۔ اور تم جو نیکی کرتے ہو، اللہ اُسے جان لیتا ہے (یعنی اگر آپ مجھ سے یہ حُسنِ سلوک کرنا چاہیں تو اللہ اس کا اَجر دے گا۔)

حضرت عبداللہ بن مُبارک: اچھا تو پھر سوار ہو جائیے (یہ کہہ کر حضرت نے اپنی اُونٹنی بٹھا دی۔

خاتون: قُلْ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ يَغُضُّوْا مِنْ اَبْصَارِهِمْ۔ اور ایمان والوں سے کہہ دیجیے کہ وہ (خواتین کا سامنا ہونے پر) نگاہیں نیچی رکھیں۔

حضرت عبداللہ مُدّعا سمجھ گئے اور مُنہ پھیر کر ایک طرف کھڑے ہو گئے، لیکن جب خاتون سوار ہُوئیں تو اُونٹنی بدکی اور خاتون کا پکڑا کجاوے میں اُلجھ کر پھٹ گیا اور وہ پُکار اُٹھیں:

خاتون: وَمَآ اَصَابَكُمْ مِّنْ مُّصِيْبَةٍ فَبِمَا كَسَبَتْ اَيْدِيْكُمْ۔ تمہیں جو مصیبت پہنچتی ہے وہ تمہارے اپنے ہی کیے کرائے (کوتاہی و لغزش) کا نتیجہ ہے۔

(خاتون گویا حضرت عبداللہ کو توجہ دلا رہی تھیں کہ یہاں کچھ مشکل پیش آ گئی ہے حضرت عبداللہ سمجھ گئے اور اُونٹنی کا پیر باندھا اور کجاوے کے تسمے دُرست کیے۔ خاتون نے حضرت عبداللہ کی مہارت و قابلیت کی تحسین کرنے کے لیے ایک آیت کے ذریعے اشارہ کیا۔)

خاتون: فَفَهَّمْنٰهَا سُلَيْمٰنَ۔ ہم نے سلیمان (علیہ السّلام) کو اس معاملے میں فہم و

بصیرت دی اور پھر جب سواری کا مرحلہ طے ہوگیا تو خاتون نے سواری کا آغاز کرنے کی آیت پڑھی:

سُبْحٰنَ الَّذِیْ سَخَّرَ لَنَا هٰذَا وَمَا كُنَّا لَهٗ مُقْرِنِیْنَ وَاِنَّآ اِلٰى رَبِّنَا لَمُنْقَلِبُوْنَ۔

پاک ہے وہ ذات جس نے اس (سواری) کو ہمارے لیے مفید خدمت کے قابل بنا دیا۔ ورنہ ہم اپنے بل بوتے پر اس قابل نہ تھے اور یقیناً ہمیں لوٹ کر (جواب دہی کے لیے) اپنے رب کے سامنے حاضر ہونا ہے۔

اب حضرت عبداللہ نے اونٹنی کی مہار تھامی اور حُدی (عربوں کا مشہور نغمۂ سفر) الاپتے ہوئے تیز تیز چلنے لگے۔

خاتون: وَاقْصِدْ فِیْ مَشْیِكَ وَاغْضُضْ مِنْ صَوْتِكَ۔ اپنی چال میں اعتدال اختیار کرو اور اپنی آواز دھیمی رکھو۔

حضرت عبداللہ بات سمجھ گئے اور آہستہ آہستہ چلنے لگے اور گنگنانے کی آواز بھی پست کر دی۔

خاتون: فَاقْرَءُوْا مَا تَیَسَّرَ مِنَ الْقُرْاٰنِ۔

پھر قرآن میں جتنا کچھ آسانی کے ساتھ پڑھ سکو پڑھو یعنی فرمائش ہوئی کہ حُدی (شعر و نغمہ) کے بجائے قرآن میں سے کچھ پڑھیے۔ حضرت عبداللہ قرآن پڑھنے لگے اور خاتون نے اس پر خوش ہو کر کہا: وَمَا یَذَّكَّرُ اِلَّآ اُولُوا الْاَلْبَابِ۔ اور اہلِ دانش و بینش ہی نصیحت قبول کرتے ہیں۔

حضرت عبداللہ نے کچھ دیر قرآن پڑھنے کے بعد کہا:

حضرت عبداللہ بن مبارک: اے خالہ کیا آپ کے شوہر ہیں؟ (یعنی زندہ ہیں)

خاتون: یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَسْـَٔلُوْا عَنْ اَشْیَآءَ اِنْ تُبْدَ لَكُمْ تَسُؤْكُمْ۔

اے ایمان والو ایسی باتوں کے متعلق نہ پوچھو جو اگر تم پر ظاہر کی جائیں تو تمہیں بُری معلوم ہوں (خاتون کا مطلب یہ تھا کہ اس معاملے میں سوال نہ کرو اور قرینہ بتا رہا تھا کہ غالباً خاتون کے شوہر فوت ہو چکے ہیں۔)

آخر کار اُن دونوں نے قافلے کو جا پکڑا۔

حضرت عبداللہ بن مبارک: اس قافلہ میں آپ کا کوئی لڑکا یا عزیز ہے جو آپ سے تعلق رکھتا ہے۔

خاتون: اَلْمَالُ وَالْبَنُوْنَ زِیْنَةُ الْحَیٰوةِ الدُّنْیَا۔ مال اور اولاد دنیوی زندگی کی زینت

ہیں۔ (یعنی میرے بیٹے بھی قافلے میں شامل ہیں، اور اُن کے ساتھ مال واسباب بھی ہے۔)

حضرت عبداللہ بن مبارک: آپ کے لڑکے قافلہ میں کیا کام کرتے ہیں (موصوف کا مُدّعا یہ تھا کہ اُن کو پہچاننے میں آسانی ہو۔)

خاتون: وَعَلٰمٰتٍ وَّبِالنَّجْمِ هُمْ يَهْتَدُوْنَ۔

اور نشانیاں ہیں اور ستاروں سے وہ راہ پاتے ہیں۔ (مفہوم یہ تھا کہ وہ قافلہ کی رہنمائی کا فریضہ انجام دیتے ہیں۔)

حضرت عبداللہ بن مبارک: کیا آپ اُن کے نام بتا سکتی ہیں؟

خاتون: وَاتَّخَذَ اللّٰهُ اِبْرٰهِيْمَ خَلِيْلًا وَكَلَّمَ اللّٰهُ مُوْسٰى تَكْلِيْمًا يٰيَحْيٰى خُذِ الْكِتٰبَ بِقُوَّةٍ۔ اور اللہ تعالیٰ نے ابراہیم کو دوست بنایا اور موسیٰ سے کلام کیا۔ اے یحییٰ اس کتاب کو قوّت سے پکڑو (ان تین آیتوں کو پڑھ کر خاتون نے بتادیا کہ اُن کے نام ابراہیم موسیٰ اور یحییٰ ہیں) حضرت عبداللہ نے قافلہ میں اُن ناموں کو پکارنا شروع کیا تو وہ تینوں نوجوان فوراً حاضر ہوگئے۔

خاتون: (اپنے لڑکوں سے) فَابْعَثُوْٓا اَحَدَكُمْ بِوَرِقِكُمْ هٰذِهٖٓ اِلَى الْمَدِيْنَةِ فَلْيَنْظُرْ اَيُّهَآ اَزْكٰى طَعَامًا فَلْيَاْتِكُمْ بِرِزْقٍ مِّنْهُ۔

اپنے لوگوں میں سے کسی کو اپنا سکّہ (یعنی نقدی) دے کر شہر میں (کھانا خریدنے کے لیے) بھیجو اور اُسے چاہیے کہ وہ دیکھے کون سا کھانا زیادہ پاکیزہ ہے۔ پھر اُس میں سے تمہارے پاس روزی لے آئے۔ (یعنی لڑکوں کو کھانا کھلانے کی ہدایت کی)

اور جب کھانا لایا گیا تو خاتون نے حضرت عبداللہ مبارک سے کہا:

خاتون: كُلُوْا وَاشْرَبُوْا هَنِيْٓـًٔا بِمَآ اَسْلَفْتُمْ فِي الْاَيَّامِ الْخَالِيَةِ۔ ہنسی خوشی کھاؤ پیو، بہ سبب اُس اچھے کام کے جو تم نے گزشتہ ایّام میں کیا اور ساتھ ہی دوسری آیت پڑھی جس کا منشاء یہ تھا کہ میں آپ کے حسنِ سلوک کی شکر گزار ہوں۔ هَلْ جَزَآءُ الْاِحْسَانِ اِلَّا الْاِحْسَانُ نیکی کا بدلہ نیکی ہی سے ہوسکتا ہے۔ یہاں تک پہنچ کر یہ مُبارک گفتگو ختم ہوگئی اور اس ضعیف خاتون کے لڑکوں نے عبداللہ بن مبارک کو بتایا کہ اُن کی والدہ چالیس سال سے اسی طرح قرآن ہی کے ذریعے گفتگو کر رہی ہیں۔

○

رجب ۱۴۱۴ھ

جامعہ مدنیہ کے سالانہ امتحان کی مفصّل رپورٹ

یُوں تو تمام جامعات میں ہر سال حسبِ معمول سہ ماہی ششماہی اور سالانہ امتحانات ہوتے ہی ہیں مگر چونکہ یہ امتحانات صرف تحریری ہوتے ہیں تقریری نہیں ہوتے، اس لیے فیصلہ کیا گیا کہ چار روزہ تحریری امتحان کے بعد دورۂ حدیث تک تمام کلاسوں، نیز تجوید و قرأت سبعہ وعشرہ کا تقریری امتحان بھی ہونا چاہیے اور ممتحن حضرات دوسرے جامعات سے بلوائے جائیں، نیز یہ بھی طے پایا کہ تقریری امتحان صرف ان طلبہ کا ہونا چاہیے، جنہوں نے اپنی تعلیم کا آغاز جامعہ مدنیہ ہی سے کیا ہو اور اَب مختلف درجات میں جامعہ کے ماہرینِ تعلیم مشفق اساتذہ کی زیرِ نگرانی اپنی تعلیم کی منزلیں طے کر رہے ہوں تقریری امتحان کا فیصلہ اس لیے کیا گیا کہ اس سے طالب علم کی قابلیت اور مضامین کی فہم کا زیادہ بہتر طریقے سے اندازہ کیا جاسکتا ہے اور سب سے اہم مقصد یہ ہے کہ جامعہ کے تعلیمی نظام کی جانچ کی جا سکے تاکہ اگر اس میں کوئی سقم ہو تو اس کا تدارک کیا جائے۔

جامعہ کا تعلیمی معیار بحمداللہ روزِ اوّل سے ہی اتنا بلند رہا ہے کہ شاید ہی کوئی جامعہ اس کا ہم پلّہ ہو، یہی وجہ ہے کہ ہمارے ہاں طلبہ کی تعداد ہمیشہ محدود رہی ہے کیونکہ امتحان داخلہ میں کوئی رعایت نہیں برتی جاتی، اس کا نتیجہ ہے کہ ہر سال جامعہ سے فارغ التحصیل ہونے والے طلباء جید عالم ہونے کے ساتھ ساتھ بہترین مدرس بننے کی صلاحیت بھی رکھتے ہیں، چنانچہ اس وقت جامعہ کے جتنے بھی اساتذہ کرام ہیں (سوائے ایک دو کے) ان سب نے تعلیم کے تمام مراحل جامعہ ہی میں طے کیے ہیں۔ الحمد للہ والمنۃ

اب ہمارے مخلص قارئین، معاونین کرام تقریری امتحان کی مفصل رپورٹ اور ممتحن حضرات کی آراء ملاحظہ فرمائیں اور بارگاہ رب العزّت میں مزید دُعاؤں کے ساتھ شکر بھی بجا لائیں کہ اللہ پاک نے اُن کی خواہشات کے مطابق اُن کی کوششوں کو بار آور فرمایا ہے۔ دُعا ہے کہ اللہ پاک سب کی مساعی جمیلہ کو اپنی بارگاہ میں قبولیت سے سرفراز فرما کر اُخروی نجات کا ذریعہ بنائے۔ آمین۔

رائے گرامی حضرت مولانا عبدالرحمٰن اشرفی وشیخ احمد عبدالحلیم الزبیدی

بسم الله الرحمن الرحيم
صاحب الجلالة سبحانه وتعالى
نحمده ونصلي على رسوله الكريم
أما بعد:

- لقد زرنا الجامعة المدنية بلاهور في حي كريم پارك التي أسسها العلامة الفقيه المفتي شيخ الحديث المرحوم الشيخ حامد ميان الحسيني رحمه الله تعالى، وذلك بمناسبة نهاية العام الدراسي ١٤١٤هـ = ١٩٩٣م، وبمناسبة الانتهاء من درس البخاري في دورة الحديث الشريف، ولقد شاركنا بالامتحان الشفهي، وكان في استقبالنا فضيلة الشيخ رشيد ميان رئيس الجامعة، وأخوه فضيلة الشيخ محمود ميان مدير الجامعة،
- لقد وجدنا طلبة الحديث في دار الحديث على مستوى جيد من حيث المعلومات العامة، في الاختبار الشفهي.
- فنرجو للجامعة المدنية والقائمين عليها، من أبناء الشيخ حامد ميان رحمه الله والأساتذة كل الخير والتوفيق في الدارين، آمين.

الدكتور الشيخ أحمد عبدالحليم كمال الزبيدي

الشيخ عبدالرحمن بن [illegible] الأشرفي
نائب رئيس الجامعة الأشرفية
شيخ الحديث
رئيس الامتحان الشفهي
في قسم الحديث

احقر نے بھی جامعہ مدنیہ میں
حدیث کا امتحان لیا، بہت زیادہ دل خوش ہوا
اللہ تعالیٰ اس کے فیض کو قیامت تک جاری رکھے آمین

(ترجمہ) ۱۴۱۴ھ ۱۹۹۳ء کو دورہ حدیث شریف میں درس بخاری کی تکمیل اور تعلیمی سال کے اختتام کی مناسبت سے العلامہ الفقیہ المفتی شیخ الحدیث سید حامد میاں الحسینی رحمہ اللہ کے قائم کردہ لاہور کے علاقہ کریم پارک میں واقع جامعہ مدنیہ کی زیارت کی اور تقریری امتحان لینے میں شریک ہوئے ہمیں خوش آمدید کہنے والوں میں جامعہ کے سربراہ فضیلۃ الشیخ سید رشید میاں اور اُن کے بھائی صاحب الفضیلۃ سید محمود میاں نائب مدیر الجامعہ شامل تھے۔ تقریری امتحان کے دوران دورۂ حدیث شریف میں طلبۂ حدیث کو اہم معلومات کے اعتبار سے ایک اچھی استعداد پر پایا۔
آخر میں جامعہ مدنیہ اس کے منتظمین خصوصاً الشیخ حامد میاں رحمہ اللہ کی اولاد اور تمام اساتذہ کرام کے لیے دارین میں خیر اور توفیق کی اُمید کرتے ہیں۔ آمین۔

رائے گرامی حضرت مولانا مفتی محمد عیسیٰ صاحب گورمانی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

حامداً و مصلیاً و مسلماً اما بعد! جامعہ مدنیہ کے سالانہ امتحان میں راقم الحروف نے ابتدائی فارسی عربی اور ایک ادب عربی کی کتاب کا امتحان لیا۔ حسبِ توقع نتیجہ بہتر سے بہتر ثابت ہوا۔

ہر علم وفن میں ابتدا اور بنیاد کی بڑی اہمیت ہوتی ہے۔ کسی دور میں ہمارے مدارس عربیہ نظامیہ میں اس کا خاص خیال رکھا جاتا تھا۔ اب یوں دیکھنے میں آیا ہے کہ اساتذہ اور مدرسہ کی تعلیمی کمیٹی طلبہ کی تعداد اور بڑے درجات اور بڑی کتب کے اجرا پر نظر رکھتی ہے۔ چھوٹی کتب اور یہ لوگ چھوٹی کلاس کا چنداں دھیان نہیں کرتے جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ چھوٹی اور ابتدائی کلاس کے طلبہ صرف و نحو فارسی اور عربی میں کمزور ہونے کے باعث بڑے درجہ کی بڑی کتب میں جب کچھ سمجھ نہیں پاتے تو پھر فی العبور برکۃ کے پیشِ نظر صد بار خوانی یک حرف ندانی علم کے فیض و برکت سے خالی رہتے ہیں۔ قرآن و حدیث اور فقہ سے بے بہرہ رہتے ہیں۔ ضلوا فاضلوا کا مصداق بنتے ہیں اور اس میں سارا قصور تربیت کا ہوتا ہے۔ طلبہ کی عاقبت نا اندیشی اور اساتذہ کی غفلت۔ مدرسہ کے عاملہ کی بے پرواہی کا یہ ثمرہ ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہم کو تمام آفات و امراض سے محفوظ فرمائے۔ ماشاء اللہ میں نے بغور جامعہ مدنیہ کریم پارک لاہور کا کافی عرصہ سے مطالعہ کیا ہے۔ طلبہ چست، محنتی، ذی استعداد اساتذہ قابل اور تعلیمی اعتبار سے مشفق اور عاملہ بیدار مغز ہے۔ اللہ تعالیٰ ان کو پائے استقامت بخشے اور نظرِ بد سے بچائے۔ اللہ تعالیٰ ہمیشہ جامعہ کو علمی اور عملی ترقی کے منازل پر کامیاب و کامران فرمائے آمین ثم آمین

رائے گرامی حضرت مولانا محمد یٰسین صاحب استاذ الحدیث خیر المدارس ملتان

باسمہ تعالیٰ

آج مؤرخہ ۲۹ رجب ۱۴۱۴ھ کو بسلسلہ امتحانات سالانہ درجہ کتب جامعہ ہذا میں حاضری ہوئی۔ مختلف درجات کی مختلف کتب کا امتحان لیا ماشاء اللہ بچوں نے اچھا سنایا ہے دورہ حدیث

کے دونوں طالب علم اچھی استعداد رکھتے ہیں ۔عبارت اور ترجمہ ومطلب سب امور میں اُن کی حالت تسلی بخش ہے باقی بچے بھی اچھے ہیں بلکہ بہت اچھے ہیں حق تعالیٰ جامعہ ہذا کے حضرت مہتمم صاحب و دیگر اساتذہ حضرات کو زیادہ سے زیادہ علوم دینیہ کی ترویج واشاعت اور جامعہ ہذا کے معیار تعلیم کو بلند کرنے کی توفیق عطا فرمائیں آمین۔

رائے گرامی حضرت مولانا محب النبی صاحب

باسمہ سبحانہ وتعالیٰ

آج مورخہ ۱۲/۱/۹۴ کو جامعہ مدنیہ کریم پارک لاہور میں بسلسلہ امتحان سالانہ حاضری کا موقع ملا شرح جامی تک کی بعض جماعتوں کا امتحان لیا طلبہ کی تصحیح عبارت درستگی ترجمہ اور بیان مطلب سے اور اساتذہ اور انتظامیہ کی خوب محنت اور اچھے نظم سے ازحد مسرت ہوئی اللہ تعالیٰ انتظامیہ اساتذہ طلبہ کے ذوق وشوق اور محنت کو شرف قبولیت سے نوازیں اور مزید توفیق دیں اور ادارہ کو منازل اقصٰی تک پہنچائیں آمین ثم آمین ۔

رائے گرامی حضرت مولانا قاری عطاء اللہ ڈیروی صاحب

بسم اللہ الرحمٰن ۔ الرحیم

آج مورخہ ۲۷ رجب بمطابق ۱۰ جنوری ۱۹۹۴ ئ بروز سوموار جامعہ مدنیہ میں شعبہ تجوید وقرأت کے طلباء کا علمی جائزہ لیا۔ الحمد للہ طلباء کی نہ صرف علمی استعداد قابلِ رشک تھی بلکہ طلباء کے نظم وضبط اور اصلاحی تربیت میں بھی ایک خاص جھلک محسوس ہو رہی تھی۔

طلبہ کی معیاری کامیابی اساتذہ کرام کی محنت اور مؤسسین مدرسہ کی پُرخلوص سعی بلیغ کا نتیجہ ہے ۔اللہ تعالیٰ معاونین واراکینِ مدرسہ کو مزید خدمتِ دین کا شرف عطا فرمائیں آمین ۔

رجب ۱۴۱۴ھ

نتیجہ سالانہ (تقریری) امتحان برائے طلبہ جامعہ مدنیہ لاہور

نمبر شمار	نام طالب علم	ولدیت	درجہ	کُل نمبر	حاصل کردہ نمبر	فیصدی
۱۔	محمد ولید الرشیدی	محمد یونس	عالیہ (دورۂ حدیث شریف)	۴۰۰	۳۹۶	۹۹ بز
۲۔	محمد زکریا	حافظ افضال احمد	〃 〃 〃	〃	۳۹۸	۹۹٫۵
۳۔	عبدالمنان	عبدالرحمٰن	عالیہ سالِ اوّل	۵۰۰	۴۵۵	۹۱ بز
۴۔	محمد عارف	افتخار احمد	〃 〃 〃	〃	〃	〃 〃
۵۔	حفیظ الرحمٰن	حافظ محمد سلیمان	خاصہ سالِ دوم	۶۰۰	۶۰۰	۱۰۰ بز
(پورے جامعہ میں اوّل)						
۶۔	شکیل احمد	عبدالرحیم	خاصہ سالِ دوم	۶۰۰	۵۸۵	۹۷ بز
۷۔	سیّد مقصود میاں	مولانا حضرت سیّد حاجی میاںؒ	خاصہ سال اوّل	〃	۵۲۲	۸۷ بز
۸۔	عبدالستّار انصاری	محمود احمد	〃 〃 〃	〃	۴۹۶	۸۲ بز
۹۔	محمد عارف	منظور احمد	عامہ سالِ دوم	۱۰۰۰	۹۴۷	۹۵ بز
۱۰۔	محمد اعجاز	محمد اسحاق	〃 〃 〃	〃	۹۳۲	۹۳ بز
۱۱۔	محمد عابد	نور احمد	〃 〃 〃	〃	۹۴۷	۹۵ بز
۱۲۔	عبیداللہ	رحمت اللہ	عامہ سالِ	۱۰۰۰	۹۳۲	۹۳ بز
۱۳۔	یاسر جاوید	جاوید اقبال	عامہ سالِ دوم	〃	۹۴۲	۹۴ بز
۱۴۔	محمد صدیق	محمد حبیب	〃 〃 〃	〃	۹۱۶	۹۱ بز
۱۵۔	شفیق الرحمٰن	محمد صدیق	〃 〃 〃	〃	۹۳۲	۹۳ بز
۱۶۔	عمر فاروق	محمد مشتاق	عامہ سالِ اوّل	۳۰۰	۳۰۰	۱۰۰ بز
۱۷۔	قاری عبدالحی	مولوی اسداللہ	〃 〃 〃	〃	〃	〃
۱۸۔	عبدالماجد	قاری غلام سرور	〃 〃 〃	〃	〃	〃

نمبر شمار	نام طالب علم	ولدیت	درجہ	کل نمبر	حاصل کردہ نمبر	فیصد
۱۹-	عبدالوحید	محمد یُوسُف	عامہ سالِ اوّل	۳۰۰	۳۰۰	۱۰۰٪
۲۰-	جہانزیب		〃 〃 〃	〃	〃	〃
۲۱-	نذیر احمد	عمر دین	〃 〃 〃	〃	〃	〃
۲۲-	مشتاق احمد	عبدالعزیز	〃 〃 〃	〃	〃	〃
۲۳-	قمر عاصم	محمد یعقوب	متوسطہ سال دوم	۲۰۰	۱۷۰	۸۵٪
۲۴-	محمد رضوان صابر	صابر حسین	〃 〃 〃	〃	〃	〃
۲۵-	محمد اعظم	علاؤ الدین	〃 〃 〃	〃	〃	〃
۲۶-	فیصل سعید	احمد سعید	〃 〃 〃	〃	〃	〃
۲۷-	جمیل انور	حافظ منظور احمد	〃 〃 〃	〃	〃	〃
۲۸-	محمد ریحان	محمد یٰسین	متوسطہ ہفتم	۵۰۰	۳۰۰	۶۰٪
۲۹-	تنویر احمد	محمد مظفر	〃 〃	〃	۳۵۰	۷۰٪
۳۰-	محمد یعقوب	احمد یار	〃 〃	〃	۴۲۵	۸۵٪
۳۱-	اصغر علی	محمد اسلم	〃 〃	〃	۳۷۵	۷۵٪
۳۲-	گلاب خان	گلستان خان	متوسطہ ششم	۴۰۰	۳۰۰	۷۵٪
۳۳-	عبدالاحد	مولوی احمد	〃 〃	〃	〃	〃
۳۴-	عبدالمجید	عبدالصبور	〃	۴۰۰	۳۰۰	〃
۳۵-	محمد قاسم	محمد صدیق	〃 〃	〃	۳۱۰	۷۷٪
۴۶-	عبداللہ بلتی	عبدالرزاق	〃 〃	〃	〃	〃
۴۷-	عمر فاروق	محمد حسین	〃 〃	〃	〃	〃
۴۸-	محمد امتیاز	عبدالعزیز	〃 〃	〃	〃	〃
۴۹-	محمد شعیب	محمد افضل	〃 〃	〃	〃	〃
۵۰-	محمد فیضان	محمد ارشد	〃 〃	〃	〃	〃

(باقی صفحہ ۵۱ پر)